

اچائی (HEC) میڈیکس مطابق

ششماہی

التَّبَسُّمِ

Print ISSN: 2664-1178

Online ISSN: 2664-1186

جنوری۔ جون 2018ء جلد: 2 شماره: 1



THE
UNIVERSITY OF
LAHORE

شعبہ علوم اسلامیہ دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور



THE
UNIVERSITY OF
LAHORE

ششماہی

التَّابِیْن

جلد: 2 شماره: 1

جنوری۔ جون 2018ء

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر محمد امین

مدیر ان

ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری

ڈاکٹر شہزادہ عمران ایوب

شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

خط کتابت: مدیر اعلیٰ، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، 1 کلومیٹر ڈیفنس روڈ، لاہور

قیمت: 200 روپے

مطبع: دی یونیورسٹی آف لاہور پریس

ویب سائٹ: www.islamic.uol.edu.pk

ای میل: altabyeen@ais.uol.edu.pk

مجلس نظامت

سرپرست:	جناب اولیس رؤف	(چیرمین بورڈ آف گورنرز، دی یونیورسٹی آف لاہور)
مدیر اعلیٰ:	ڈاکٹر محمد امین	(پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور)
مدیران:	ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری	(ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور)
	ڈاکٹر شہزادہ عمران ایوب	(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور)

مجلس مشاورت [بین الاقوامی]

پروفیسر ڈاکٹر صالح محمد العقیل	(سعودی عرب)	پروفیسر ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی	(انڈیا)
پروفیسر ڈاکٹر غلام محمد قمر الازہری	(امریکہ)	ڈاکٹر سید محمد کفیل قاسمی	(انڈیا)
پروفیسر ڈاکٹر مشتاق گوہر	(امریکہ)	پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد	(ملائیشیا)
پروفیسر ڈاکٹر منیر الازہری	(برطانیہ)	ڈاکٹر سکری صالح	(ملائیشیا)
ڈاکٹر محمد رفیق حبیب	(برطانیہ)	ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد	(کویت)
پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سلیم	(برطانیہ)	پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم	(مصر)
پروفیسر ڈاکٹر صہیب حسن	(برطانیہ)	پروفیسر ڈاکٹر در مش بلگر	(ترکی)

مجلس مشاورت [قومی]

پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن	(اسلام آباد)	پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس	(فیصل آباد)
پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد صدیقی	(لاہور)	پروفیسر ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی	(کوئٹہ)
پروفیسر ڈاکٹر محمد اعجاز	(لاہور)	پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمن	(ملتان)
پروفیسر ڈاکٹر سلطان شاہ	(لاہور)	ڈاکٹر حافظ افتخار احمد	(بہاولپور)
پروفیسر ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء	(پشاور)	پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا	(لاہور)
پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی	(اسلام آباد)	ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں	(لاہور)

مقالہ نگاروں کے لیے ہدایات

◉ ششماہی تحقیقی مجلہ "النسب" میں مقالہ کی اشاعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ فاضل مقالہ نگار کی ذاتی اور غیر مطبوعہ تحقیق ہو۔

◉ مقالہ کی سافٹ کاپی ورڈ فارمیٹ میں کمپوز شدہ صورت میں ای میل کی جائے اور اس کے شروع میں انگریزی میں کم از کم 150 الفاظ میں اس کا Abstract موجود ہو۔

◉ کمپوزنگ مائیکروسافٹ ورڈ میں کی جائے۔ اردو متن کا سائز 15 اور فونٹ جمیل نوری نستعلیق ہو، عربی متن قرآنی کا سائز 14 اور فونٹ القلم قرآنک ویب لگایا جائے۔ باقی عربی متن کا سائز 14 اور فونٹ لوتس لینو ٹائپ ہونا چاہیے۔ انگریزی کا سائز 12 اور فونٹ ٹائم نیورومن لگایا جائے۔

◉ نفسی اقتباس کی صورت میں مصنف کی اصل عبارت (عربی ہو یا انگلش) تحریر کریں اور پھر اس کا ترجمہ دیں۔

◉ مقالہ کے متن میں حوالہ جات کے نمبر ہر صفحہ پر الگ شروع ہوں۔ حوالہ جات ہر صفحہ کے آخر میں درج کیے جائیں اور حوالہ کے لیے درج ذیل طریق اختیار کیا جائے:

الف۔ اردو اور فارسی کتاب کا حوالہ:

علامہ، شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، دار العلم، اسلام آباد، طبع اول، 1989ء، 3: 20

ب۔ عربی کتاب کا حوالہ:

الشافعی، محمد بن إدريس، الرسالة، مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، 1388ھ

ص: 125

ج۔ اردو تحقیقی مجلہ کا حوالہ:

حافظ احمد سلطان، "علم مختلف الحدیث"، القلم، لاہور، جلد نمبر 6، شمارہ نمبر 2، جون 2013ء، ص: 13-27

د۔ انگریزی کتاب کا حوالہ:

C. R. Kothari, *Research Methodology*, New Age Publishers, India, 2004, P: 140

ھ۔ انگریزی تحقیقی مجلہ کا حوالہ:

Islahi, Abdul Azim, *Economic Ideas of Ibn `Abidin*, Islamic Studies, Islamabad, Vol: 53, Issue: 2, Dec. 2014, P: 112-128

و۔ ویب سائٹ / آن لائن مقالے کا حوالہ:

محمد سلیم، "اسلام میں تحدید ملکیت کا تصور"، تاریخ استفادہ: ۲۰ دسمبر ۲۰۱۸ء

<http://pu.edu.pk/home/journal/aladwa/Previous-Issue.html>

تعارف شرکاء

عرفان جعفر

ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، لاہور کیمپس

ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر

پروفیسر (ر) شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر شمس العارفین

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ سرگودھا یونیورسٹی، لاہور کیمپس

محمد کاشف اقبال

ایسوسی ایٹ لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات

ڈاکٹر عبدالغفار

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ

ٹیکنالوجی، ناروال کیمپس

ڈاکٹر عبدالرشید قادری

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

فہرست مضامین

06	مدیر	اداریہ
		حدیث و سنت
07	عرفان جعفر	• اولین کتب حدیث کے مناجح و اسالیب
	ڈاکٹر شہزادہ عمران ایوب	(امام ابن ابی شیبہ کی علم حدیث میں خدمات کے تناظر میں)
		اسلامی سیاست و نظم
24	ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر	• مدنی فلاحی ریاست کی بنیادیں
	ڈاکٹر نصیر احمد اختر	
44	ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر	• سرکاری مناصب و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال
		اسلام اور عصر حاضر
71	محمد کاشف اقبال	• اسلام کا تصور جہاد اور امن
	ڈاکٹر محمد امین	
90	ڈاکٹر عبدالغفار	• غلامی کی جدید اشکال اور انسداد غلامی
		(سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی کے تناظر میں)
		تعلیم و تربیت
120	ڈاکٹر شمس العارفین	• اصول تعلیم: موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصہ کی روشنی میں
	ڈاکٹر عبدالقدوس	
		تقابلِ ادیان
135	ڈاکٹر عبدالرشید قادری	• فرشتوں کا کردار
		(قرآن اور بائبل کی روشنی میں تقابلی مطالعہ)

ادارہ کا مقالہ نگار حضرات کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

پیش لفظ

التبیین کا دوسرا شمارہ حاضر خدمت ہے۔

ملک میں اس وقت چونکہ کرپشن کی مذمت اور ریاست مدینہ کے تصور کی حمایت پر بحث جاری ہے اس لیے ہم بھی اس میں اپنا علمی حصہ ڈالنے کے لیے التبیین کے تازہ شمارے میں دو مضامین شائع کر رہے ہیں۔ اسی طرح حدیث و سنت، تعلیم و تربیت اور تقابل ادیان کے علاوہ اسلام اور عصر حاضر کے عنوان سے تین عصری مسائل پر مقالات بھی شامل اشاعت ہیں۔

امید ہے قارئین کو ہماری یہ کاوش پسند آئے گی۔ ہمیں ان کے تبصرے اور آراء کا انتظار رہے گا۔

مدیرِ اعلیٰ

اولین کتب حدیث کے مناجج واسالیب (امام ابن ابی شیبہؒ کی خدمات حدیث کے تناظر میں)

عرفان جعفر*

ڈاکٹر شہزادہ عمران ایوب**

ABSTRACT

Imam Ibn Abi Shaiba was a great *Mohaddith* of his time. His teachers were renowned scholars of his age and those who acquired knowledge from him were also prominent scholars and jurists like Imam Bukhari, Imam Muslim and Imam Ahmad bin Hanbal etc. He compiled many books in the field of Hadith. In this regard, his books “Al-Musannaf, Al-Musnad, Al-Iman and Al-Adab are considered magnificent books on their topics. Style and methodology of these books have been considered to be the best by scholars and researchers. These books are not only the precious addition in the Hadith literature, but they are also the masterpieces of compilation. After remaining for a long period of time in the form of manuscripts, now these have been edited by many research scholars and published by various publishers of the Arab world.

Keywords: حدیث، ابن ابی شیبہ، محدث، ترتیب و تالیف، تدوین، منہج و اسلوب، تحقیقات، مخطوطات

* ریسرچ سکالرا ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور
** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

امام ابن ابی شیبہ کا مکمل نام ابو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خواستی العسبی الکوفی ہے۔ آپ 159ھ بمطابق 776ء میں مشرقی عراق کے شہر ”واسط“ کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محمد بن ابراہیم اپنے زمانے کے ثقہ محدث اور فقیہ عالم دین تھے، جو فارس میں قضاء کے منصب پر بھی فائز رہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ کے دادا ابو شیبہ ابراہیم بن عثمانؒ اپنے شہر میں نہایت مقبول و معزز شخصیت تھے اور ایک صاحب علم بزرگ کے طور پر جانے جاتے تھے۔ آپ بھی خلافت عباسیہ کے مشہور خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے دور خلافت میں تینتیس (33) سال تک واسط میں منصب قضاء کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ کے دو بھائی (عثمانؒ اور قاسمؒ) بھی محدثین کی فہرست میں شامل ہیں۔ محدثین و علماء کرام نے ان کے علم و فضل اور فن حدیث میں دسترس اور تبحر علمی کا اعتراف کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ کے علمی قد اور عظمت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے چار (بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ) نے آپ سے بلا واسطہ استفادہ کیا، احادیث سنیں اور اپنے مجموعہ ہائے احادیث میں آپ کی روایات کو جگہ دی۔ آپ نے 235ھ میں وفات پائی۔

امام ابن ابی شیبہؒ کی علمی خدمات

امام ابن ابی شیبہؒ ایک جلیل القدر عالم اور مجتہد تھے۔ آپ گہری علمیت اور بے مثال وسعت نظری کے مالک تھے۔ آپ نے امت مسلمہ کے لیے یادگار علمی خدمات سرانجام دیں۔ آپ درس و تدریس کی مجالس قائم کیا کرتے تھے اور اہل علم ہی کی مجالس میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ آپ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے علوم الحدیث کے پڑھنے پڑھانے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ تحریر و تصنیف کے ذریعے انہیں آنے والی نسلوں کے لیے بھی محفوظ کر دیا۔

موصوف کا شمار ان ائمہ حدیث میں ہوتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی نشر و اشاعت میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ آپ نے درس و تدریس کے ذریعے جو گراں قدر خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے مختلف بلاد و دیار میں جا کر علم حدیث کی اشاعت کا کام کیا۔ اس سلسلے میں مختلف شہروں کا سفر کیا۔ آپ جس شہر میں جاتے درس حدیث کی مجلس قائم کرتے اور ہزاروں لوگ بیک وقت آپ سے احادیث سنتے اور لکھتے۔ بے شمار تلامذہ آپ کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوتے اور آپ سے کسب فیض کرتے۔ اس کی ایک مثال آپ کے شاگرد ابو زرعہ

رازیؒ ہیں جنہوں نے علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ فرماتے ہیں ”میں نے امام ابن ابی شیبہؒ سے ایک لاکھ سے زیادہ احادیث لکھی ہیں“۔⁽¹⁾

فتنہ خلق قرآن اور امام ابن ابی شیبہؒ کا علمی کردار

دوسری صدی ہجری میں جب کچھ کلامی فرقے اہل اقتدار کی پناہ لے کر ظہور میں آئے اور انہوں نے دین اسلام میں بدعات ایجاد کیں، غلو کا راستہ اختیار کیا اور دین و عقائد میں عقلی مویشگافیاں شروع کر دیں تو محدثین کی جماعت (جن میں امام ابن ابی شیبہؒ بھی شامل تھے) نے ان کا سختی سے نوٹس لایا۔ آپ نے فتنہ خلق قرآن کے رد میں اہم کردار ادا کیا۔ اس فتنہ کا آغاز خلیفہ مامون کے دور میں ہوا اور معتصم باللہ اور واثق باللہ کے دور میں یہ عروج کو پہنچا۔ ان خلفاء نے علماء و محدثین کی کثیر تعداد کو جبراً عقیدہ خلق قرآن تسلیم کرنے پر مجبور کیا اور جن علماء نے انکار کیا ان کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ خلیفہ متوکل باللہ نے جن علماء و محدثین کی جماعت کو ان باطل عقائد و نظریات کے رد کے لئے مامور کیا، ان میں ایک نام امام ابن ابی شیبہؒ کا بھی ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ بغداد میں مسجد رفاصہ میں ان بدعتی فرقوں کا استیصال کرتے اور ان کے رد میں احادیث کو مؤثر انداز میں بیان کیا کرتے تھے۔ ان کا انداز بیان اس قدر دلنشین تھا کہ ہزاروں لوگ ان کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوتے اور اپنی علمی تشنگی دور کرتے تھے۔⁽²⁾

تصانیف و تالیفات

امام ابن ابی شیبہؒ ان محدثین میں سے ہیں جنہوں نے نہ صرف درس و تدریس کی خدمات انجام دیں بلکہ تصنیف و تالیف کے ذریعے بھی دینی علم کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا۔ آپ کے بارے میں ابو عبیدہؒ (جو خود متعدد کتب کے مؤلف ہیں) فرماتے ہیں ”امام ابن ابی شیبہ ایک باکمال مصنف تھے“۔⁽³⁾ امام رامہرمزیؒ نے

¹۔ الذہبی، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، دائرة المعارف الاسلامی، حیدرآباد انڈیا، بدون التاریخ،

ج، 2، ص: 449

²۔ ایضاً

³۔ الذہبی، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، تحقیق: شعیب ارناؤوط، مؤسسة

رسالة بیروت، 1982ء، 11: 127، خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، دار الغرب

الاسلامی بیروت، 2002ء، 10: 49

ذکر کیا ہے کہ ”ابو عبید قاسم بن سلام اور ابن ابی شیبہؒ سے بڑھ کر کوئی مصنف نہیں ہے“ اور مزید یہ بھی نقل فرمایا کہ ”ابن ابی شیبہ ترتیب و تالیف کے حسن میں انفرادیت کے حامل ہیں“۔⁽¹⁾ ابن منجویہؒ کا بیان ہے کہ ”ابن ابی شیبہ تحریر و تصنیف اور جمع و ترتیب کی خدمات انجام دینے والے علماء میں سے ہیں“۔⁽²⁾ امام ابن ابی شیبہؒ نے بہت سی کتب تالیف کی ہیں، متعدد تذکرہ نگاروں کے بیان سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے تالیفات تو بہت زیادہ تحریر فرمائیں لیکن حوادث زمانہ کے باعث اکثر معدوم اور نایاب ہو گئی ہیں۔ امام ابن ابی شیبہؒ کی علمی خدمات کو خطیب بغدادیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ ”ابو بکر (ابن ابی شیبہ) پختہ عالم دین اور حافظ تھے، انہوں نے مسند تحریر فرمائی اور احکام و تفسیر میں تصنیف کا کام کیا ہے“۔⁽³⁾ امام ذہبیؒ نے موصوف کی عظیم تصنیفی خدمات کا اعتراف ”صاحب التصانیف الکبار“ کے الفاظ میں کیا ہے۔⁽⁴⁾ امام ابن کثیرؒ نقل فرماتے ہیں کہ ”ابن ابی شیبہ صاحب تصانیف محدث تھے، آپ نے ایسی عمدہ تصنیفات پیش کیں جیسی نہ آپ سے پہلے کوئی پیش کر سکا اور نہ بعد میں“۔⁽⁵⁾

ابن ندیم نے اپنی کتاب ”الفہرست“ میں امام ابن ابی شیبہؒ کی جن تصانیف کا ذکر کیا ہے ان کے اسماء یہ ہیں: کتاب السنن فی الفقه، کتاب التاريخ، کتاب التفسیر، کتاب الفتن، کتاب صفین، کتاب الجمل، کتاب الفتوح، کتاب المسند، کتاب المصنف، کتاب الایمان، کتاب الادب۔⁽⁶⁾ کتب خانہ ظاہریہ (دمشق) کی فہرست مخطوطات میں ان کی مزید ایک کتاب ”کتاب الجہاد“ کا بھی ذکر ملتا ہے۔⁽⁷⁾ زر کلیؒ نے ان کی دیگر کتب کے ساتھ ایک کتاب ”کتاب الزکوٰۃ“ کا بھی ذکر کیا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں سے متعدد کتب نایاب ہیں، جو مخطوطات کی صورت میں بھی نہیں ملتیں، لیکن آپ کی چار بلند پایہ کتب ”المصنف، المسند، کتاب الایمان اور کتاب الادب“ دنیا

¹ - الرامہرمزی، حسن بن عبد الرحمن، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، تحقیق: عجاج الخطیب، دارالفکر بیروت، 1994ء، ص: 614

² - ابن منجویہ، ابوبکر احمد بن علی، رجال صحیح مسلم، دارالمعرفۃ بیروت، 1407ھ، 1: 358

³ - سیر اعلام النبلاء، 11: 125

⁴ - ایضاً، 11: 127

⁵ - ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، دارالمعرفۃ بیروت، 2005ء، 10: 763

⁶ - ابن ندیم، ابوالفرج محمد بن اسحاق، الفہرست، دارالمعرفۃ بیروت، 1997ء، ص: 320

⁷ - ایضاً، ص: 302

کے مختلف مکتبات سے ایڈٹنگ اور تصحیح و تحقیق کے بعد شائع ہو چکی ہیں۔ ذیل میں انہی چاروں کتب کا مختصر تعارف اور خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان کے منہج و اسلوب کا بیان پیش کیا جا رہا ہے:

① مصنف ابن ابی شیبہ

اس کتاب کا پورا نام "الكتاب المصنف في الاحاديث والآثار" ہے جو "المصنف لابن ابی

شیبہ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب بلاشبہ کتب احادیث میں نہایت منفرد مقام کی حامل ہے۔

تعارف اور مقام

امام ابن ابی شیبہؒ کی یہ کتاب تدوین حدیث کے اولین دور میں احاطہ تحریر میں لائی گئی۔ ابتدائی دور میں لفظ "المصنف" سے وہی معنی مراد لیا جاتا تھا جو بعد میں "سنن" سے لیا جانے لگا۔ اور "مصنف" علمائے حدیث کی اصطلاح میں ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث ابواب فقہ کی ترتیب پر جمع کی جائیں یا بالفاظ دیگر جس میں "احادیث احکام" جمع کی جائیں۔ مصنف میں مرفوع احادیث کا التزام نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں موقوف اور مقطوع احادیث بھی جمع کی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی اس میں صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال و افعال، آراء، آثار اور فتاویٰ و واقعات شامل کیے جاتے ہیں۔ لیکن امام ابن ابی شیبہؒ نے تمام اقوال و آثار اور فتاویٰ کو مکمل اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ حدیث شریف کی عظیم الشان کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ قرون اولیٰ کے ائمہ و محدثین کے فقہی افکار اور اجتہادات کا بھی گرانقدر ذخیرہ ہے۔

اہل علم کی آراء

اہل علم نے امام ابن ابی شیبہؒ کی اس گرانقدر خدمت کو سراہتے ہوئے اس کی نہایت تعریف و توصیف بیان کی ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ "المصنف ایسی کتاب ہے جس جیسی نہ اس سے پہلے لکھی گئی اور نہ بعد میں"۔^(۱) صاحب کشف الظنون اس کتاب کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "یہ بہت جامع کتاب ہے جس میں احادیث رسول کے ساتھ ساتھ اقوال صحابہ و تابعین کو بھی محدثانہ انداز میں مکمل اسناد سمیت

¹ - البدایہ والنہایہ، 10: 763

فقہی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔⁽¹⁾ رسالہ مستطرفہ کے مؤلف نے بھی اس کتاب کے بارے میں اسی سے ملتے جلتے تعریفی کلمات نقل فرمائے ہیں۔⁽²⁾ علامہ زاہد الکوثری امام ابن ابی شیبہؒ کی اس خدمتِ جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ”المصنف احادیثِ احکام کے سلسلے میں لکھی جانے والی سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔“⁽³⁾ علاوہ ازیں امام ابن حزمؒ نے اس کتاب ”المصنف“ کو امام مالک کی ”الموطا“ سے افضل قرار دیا ہے۔⁽⁴⁾

منہج و اسلوب

یہ کتاب نہایت اہم، مفید اور جامع ہے۔ اس میں اڑتیس (38) کتب ہیں اور ہر کتاب متعدد ابواب پر مشتمل ہے جن میں سے کئی ایک کتب کے ابواب کی تعداد 500 سے بھی زائد ہے اور بہت سی کتب صرف ایک ہی باب پر مشتمل ہیں۔ امام ابن ابی شیبہؒ نے ہر کتاب کے متعدد تراجم ابواب قائم کیے ہیں، جن میں ہر ترجمہ باب سے متعلق مسائل کے بارے میں اہل علم کی مختلف اور متفق فیہ آراء کو جمع کیا ہے۔ اس میں مؤلف کی طرف سے کوئی مقدمہ نہیں لکھا گیا۔ اس کتاب کا پورا نام ”الكتاب المصنف فی الاحادیث و الآثار“ ہے جس سے اس کے منہج و اسلوب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ نے اس کتاب میں زندگی کے تمام شعبہ جات کے بارے میں احادیث جمع کی ہیں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، معیشت سے ہو یا معاشرت سے وغیرہ وغیرہ۔ اس میں مؤلف نے احادیثِ رسول، اقوالِ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے فتاویٰ کو بغیر کسی تنقید و تبصرے کے جمع کیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب فقہی ہے لہذا اس کا آغاز ”کتاب الطہارہ“ سے ہوتا ہے اور اس کی آخری کتاب ”کتاب الجمل“ ہے۔ یہ کتاب اہل عراق میں معروف و متداول تھی۔ حضرت یحییٰ بن خالد اندلس سے جب طلب حدیث کے سلسلے میں کوفہ و بغداد وغیرہ میں آئے تو وہ امام ابن ابی شیبہؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے کسب فیض کیا، جب المصنف کو دیکھا تو اسے پسند کیا اور اس عدیم المثل کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اسے اپنے ساتھ اندلس لے گئے اور پھر واپس جا کر اپنے علاقے میں لوگوں کو اس کی تعلیم

¹ - حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب، کشف الظنون عن اسامی الكتب و الفنون، دار احیاء التراث

العربی بیروت، 1941ء، 2: 251

² - الکتانی، محمد بن جعفر، الرسالة المستطرفة، اصح المطابع کراچی، 1940ء، ص: 35

³ - ایضاً، ص: 3

⁴ - تذکرۃ الحفاظ، 3: 1153

دیتے رہے۔⁽¹⁾

امام ابن ابی شیبہ ایک مجتہد عالم دین اور فقیہ تھے۔ اسی لئے ان کی کتاب ”المصنف“ میں فقہی مسائل اور فقہائے کرام کی مختلف آراء مذکور ہیں، جو ان کی علمی وسعت اور فقہیانہ طرز فکر کا ثبوت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے کسی بھی خاص مسلک کی ترجمانی نہیں کی۔ امام ابن ابی شیبہؒ کے اس منہج تالیف کو علمائے حدیث نے قابل تحسین قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب نہ صرف جمع احادیث بلکہ تدوین حدیث کا بھی ایک حسین مرقع ہے۔ اس کے منہج و اسلوب کی توضیح چند نکات کی روشنی میں حسب ذیل ہے:

1. امام ابن ابی شیبہؒ نے اس کتاب میں موضوع روایات سے اجتناب کیا ہے۔
2. اس کتاب میں ابواب و عنوانات کی کثرت ہے۔
3. اکثر و بیشتر مقامات پر غریب الفاظ کے معانی بھی بیان کیے گئے ہیں۔
- مصنف کی ذکر کردہ احادیث کی اسناد ”عالی“ ہیں۔
4. موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے احادیث میں تکرار بھی موجود ہے۔
5. مکرر روایت کو آپ بعض اوقات اسی سند سے ذکر کرتے ہیں اور بعض اوقات دوسری سند سے۔
6. متن میں آپ الفاظ کا اختلاف، غریب الفاظ کی وضاحت اور تصحیف، اضطراب اور معلول ہونے کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔
7. حسب ضرورت احادیث سے احکام کا استنباط بھی اس کتاب کا ایک منفرد خاصہ ہے۔

خصوصیات

اس کتاب کی چند نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں:

1. اس کتاب کی اکثر روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں جو اس کی صحت اور حجت ہونے کی دلیل ہیں۔
2. فقہی احکام و مسائل سے متعلق روایات کے سلسلہ میں یہ نہایت مستند اور جامع مجموعہ ہے۔
3. اس میں غیر جانبدارانہ انداز سے تمام مسالک کی روایات کو نقل کیا گیا ہے۔
4. اس میں مرفوع متصل روایات کے ساتھ ساتھ موقوف، مرسل اور منقطع روایات اور ائمہ و فقہاء کی آراء کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا فائدہ یہ ہے کہ ہر حدیث کے متعلق سلف صالحین کے تعامل اور ائمہ کرام کے اتفاق و اختلاف کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

¹۔ ابن الفرزی، ابو الولید عبد اللہ بن محمد، تاریخ علماء اندلس، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1997ء، ص: 83

5. یہ کتاب حُسن ترتیب و تالیف کا بہترین شاہکار ہے۔
6. اس میں روایات میں موجود زائد الفاظ اور ان کی اسناد یا متون میں راویوں کے اختلافات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔
7. تمام مسالک کے علماء اس کتاب سے استفادہ کرتے اور دلائل اخذ کرتے ہیں۔
8. اس کی اکثر روایات کی اسناد ”عالی“ ہیں۔
9. اس میں آیات احکام کی تفسیر بھی موجود ہے۔
10. اختلاف کے وقت مصنف اپنی رائے ذکر کرنے کی بجائے اپنے شیخ یا اس سے اوپر والے علماء کی رائے ذکر کرتے ہیں۔

تحقیقات و طبعات

یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ سب سے پہلے اس کتاب کے کچھ اجزاء حیدرآباد سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئے اور بعض اجزاء ملتان سے طبع ہوئے۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ کتاب پہلی بار مکمل ۱۹۷۹ء میں بمبئی سے عامر المعری الاعظمی، مختار احمد ندوی اور عبدالحق افغانی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔ پھر اسی ایڈیشن کو ادارۃ قرآن و علوم اسلامیہ کراچی نے شائع کیا لیکن اس ایڈیشن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس ایڈیشن میں کتاب الایمان والندور اور کتاب الحج کو شامل کیا گیا جبکہ یہ دونوں کتب بمبئی والے ایڈیشن میں موجود نہیں تھیں۔ یہ کتاب 1989ء میں کمال یوسف حوت کی تقدیم و ضبط کے ساتھ دار التاج بیروت سے طبع ہوئی جو سات (7) جلدوں پر مشتمل تھی۔ اس میں احادیث کی تعداد سینتیس ہزار نو سو تئالیس (37943) ہے۔ اس کے بعد یہ کتاب محمد عبد السلام شاہین کی تحقیق کے ساتھ 1995ء میں دار الکتب العلمیہ سے شائع ہوئی ہے جو نو (9) جلدوں میں ہے۔ اس میں کتب کی تعداد اڑتیس (38) جبکہ احادیث کی تعداد سینتیس ہزار نو سو تئیس (37930) ہے۔ اس ایڈیشن میں محقق نے ابتداء میں ایک مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں محقق نے کتاب کی تحقیق کے دوران اپنائے گئے منہج و اسلوب کو بیان کیا ہے۔ یہ کتاب محمد عوامہ کی تحقیق کے ساتھ فہارس سمیت چھپیس (26) جلدوں میں دار قرطبہ، بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ نیز محمد بن ابراہیم اللحیدان اور حمد بن عبد اللہ الجمعہ کی تحقیق کے ساتھ اسے مکتبہ الرشید بیروت نے 16 جلدوں میں شائع کیا ہے۔

مخطوطات

مصنف ابن ابی شیبہ پر بہت سے محققین نے تحقیق کی ہے۔ محقق محمد عوامہ نے جب مصنف ابن ابی شیبہ پر تحقیق کی تو انہوں نے بے پناہ محنت اور کوشش سے مصنف ابن ابی شیبہ کے چودہ مخطوطات حاصل کیے اور اپنے

تحقیق کردہ نسخہ میں ایک مقدمہ قائم کیا جس میں انہوں ان تمام مخطوطات کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے اور پھر انہی مخطوطات کو مصدر بنا کر خود اس کتاب پر تحقیق کی ہے۔

② مسند ابن ابی شیبہ

یہ کتاب ”مسند ابن ابی شیبہ“ کے نام سے معروف ہے۔ بعض اہل علم نے امام ابن ابی شیبہؒ کی کتاب ”المسند“ اور ”المصنف“ کو ایک ہی کتاب قرار دیا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ دونوں الگ الگ کتابیں ہیں۔

تعارف اور مقام

”مسند“ محدثین کی اصطلاح میں اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صحابہ کرام کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہوں۔ مسانید پر لکھی جانے والی کتب میں امام ابن ابی شیبہؒ کی مسند بھی شامل ہے اور نہایت بلند مقام رکھتی ہے۔ ”مسند ابن ابی شیبہ“ دراصل ان احادیث کا مجموعہ ہے جن میں امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنے اساتذہ و شیوخ کی مرویات کو جمع کیا ہے۔ اس کتاب کی احادیث میں صحیح، حسن، اور ضعیف تینوں اقسام کی روایات موجود ہیں۔ اس کتاب میں احادیث کو مضامین اور ابواب بندی کے مطابق ترتیب نہیں دیا گیا بلکہ ان کو رواقہ کے اسماء کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اس کتاب میں کئی مخصوص مسانید پہلو پہلو موجود ہیں۔

اہل علم کی آراء

اہل علم نے امام ابن ابی شیبہؒ کی اس گر اف قدر خدمت کو سراہتے ہوئے اس کی تعریف و توصیف بیان کی ہے۔ چنانچہ حاجی خلیفہؒ (صاحب کشف الظنون) فرماتے ہیں کہ ”مسند ابن ابی شیبہ ایک نہایت عظیم کتاب ہے۔“^(۱) اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے بھی اس کتاب کے بارے میں اسی سے ملتے جلتے تعریفی کلمات نقل فرمائے ہیں۔ امام ذہبیؒ امام ابن ابی شیبہؒ کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی دونوں کتب (مصنف، مسند) کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ”امام ابن ابی شیبہ کی دو بڑی نفیس و عمدہ کتابیں مصنف اور مسند ہیں۔“^(۲)

^۱ - کشف الظنون، ۲: ۱۷۱۱

^۲ - الذہبی، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد، میزان الاعتدال، تحقیق: علی محمد البجاوی،

منہج و اسلوب

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے جس میں احادیث کی تعداد نو سو اٹھانوے (998) ہے۔ اس کی ترتیب میں کافی حد تک مسانید کے عام اصول و قواعد کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ہر صحابی کی احادیث کو الگ الگ عنوان کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے۔ پہلی جلد حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی مرویات سے شروع ہوتی ہے اور حضرت زید بن ارقمؓ کی مرویات پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ اور دوسری جلد نبیط بن شریط الاشجعی الکوفیؓ کی مرویات سے شروع ہو کر "من روی عن النبی ﷺ من لم یسم باسمہ" کے عنوان کے تحت مذکور احادیث پر ختم ہوتی ہے۔ اس کی ترتیب مسند امام احمد بن حنبل کی ترتیب سے بالکل مختلف ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ اور ان کی علمی خدمات سے مکمل یا معمولی دلچسپی رکھنے والا ہر شخص یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ آپ ایک علمی شخصیت تھے۔ آپ نے اپنی جملہ تصنیفات کو نہایت حسن و خوبی سے مرتب کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کتاب میں جو منہج اختیار کیا ہے وہ ذیل میں چند نکات کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے:

آپ نے اس کتاب میں صحابہ کرام کی مسانید کا ذکر کیا ہے۔

1. اس میں موضوع روایات کو جمع کرنے سے احتراز کیا ہے۔
2. اگر کسی صحابی کی صرف ایک ہی روایت ملی تو اسی کو بیان کیا ہے۔
3. اس میں متصل، مرسل اور موقوف سب طرح کی روایات ہیں۔
4. اکثر و بیشتر صحابی کو اس کے اصل نام کی بجائے عطائی نام سے ذکر کیا ہے جیسے مطیع بن الاسود، ہیں، ان کا اصل نام عاص ہے جبکہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے "مطیع" کہا تو امام ابن ابی شیبہؒ نے ان کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔

5. وہ حدیث کو بیان کرتے ہوئے کبھی "نا" کا لفظ استعمال کرتے اور کبھی "حدثنا" کا۔

6. صحابی کے نام کے عنوان کے تحت احادیث کو بیان کرتے ہیں۔

7. دونوں اجزاء کا آغاز "بسم الله الرحمن الرحيم" سے کیا ہے۔

خصوصیات

امام ابن ابی شیبہؒ کی مسند ایک جامع کتاب ہے جو متعدد خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کی چند نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں:

1. اس کی سب سے اہم خصوصیت اس کا قدیم اور احادیثِ رسول ﷺ کا بنیادی مصدر ہونا ہے۔
2. اس کی اکثر روایات دوسری مشہور کتب احادیث میں موجود ہیں۔
3. اس کی اکثر روایات مرفوع ہیں، موقوف روایات بہت کم ہیں۔
4. اس میں احادیث کے ساتھ ساتھ آثارِ صحابہ و اقوال تابعین بھی مذکور ہیں۔
5. اس میں بعض مقامات پر غریب اور مشکل الفاظ کی توضیح بھی ملتی ہے۔
6. اس کی احادیث کی اسناد امام ابن ابی شیبہؒ کے شیوخ کی ہیں۔
7. بعض مقامات پر احادیث کے مختلف طرق اور مختلف الفاظ بھی بیان کیے گئے ہیں۔
8. یہ کتاب مسانید صحابہ کی کثرت، ترتیب و تالیف کی عمدگی کا ایک حسین مرقع ہے۔
9. تمام مسائل کے علماء اس کتاب سے استفادہ کرتے اور دلائل اخذ کرتے ہیں۔

تحقیقات و طبعات

یہ کتاب پہلی مرتبہ 1418ھ بمطابق 1997ء میں ابو عبد الرحمن عادل بن یوسف العزازی اور ابو الفوارس احمد فرید المزیدي کی تحقیق کے ساتھ دار الوطن، ریاض سے دو جلدوں میں شائع ہوئی جس میں نو سو اٹھانوے (998) احادیث ہیں۔ اسی تحقیق کے ساتھ اسے دار الکتب العلمیہ، بیروت نے بھی شائع کیا ہے۔

مخطوطات

اس کتاب کا ایک مخطوطہ مدینہ منورہ کی ”جامعہ اسلامیہ“ کی لائبریری میں بھی محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ اس کے مخطوطات جامعہ اسلامیہ رباط، مکتبہ احمد الثالث ترکی، مکتبہ المحمودیہ، اور مکتبہ الظاہریہ دمشق میں بھی موجود ہیں۔

③ کتاب الایمان

امام ابن ابی شیبہؒ نے ایمانیات کے موضوع پر ایک عمدہ اور جامع کتاب تصنیف کی، جو کتب احادیث میں ”کتاب الایمان“ کے نام سے معروف ہے۔ بعض اہل علم نے اسے ”رسالۃ الایمان لابن ابی شیبہ“ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔

تعارف اور مقام

اس کتاب کا موضوع ”اہل السنہ کے نزدیک ایمان کے مسائل اور خوارج اور مرجئہ کارد“ ہے۔ اس بارے میں حمد بن عبد اللہ الجمعہ فرماتے ہیں: ”موضوع الكتاب : مسألة الايمان أهل السنة و الرد على الخوارج و المرجئة“⁽¹⁾ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے اولین کتب میں شمار ہوتی ہے۔ اسی سے اس کی اہمیت عیاں ہے۔

اہل علم کی آراء

یہ کتاب اپنے موضوع پر بنیادی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کو حافظ ابن حجر، امام کتانی، امام زرکلی، ابن ندیم اور ڈاکٹر فواد سیزگین نے امام ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں صاحب الرسالہ المستطرفہ لکھتے ہیں کہ ”کتاب الايمان امام ابن ابی شيبه کی ایک عظیم کتاب ہے۔“⁽²⁾

منہج و اسلوب

یہ کتاب (فقہی یا مسانید کی طرح) کسی خاص ترتیب پر مدون نہیں کی گئی بلکہ اس میں محض ایمانیات سے متعلق احادیث جمع کر دی گئی ہیں۔ امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی دوسری کتاب ”المصنف“ میں ایک کتاب ”کتاب الايمان و الرؤيا“ کے عنوان سے بھی قائم کی ہے۔ اس میں تو انہوں نے احادیث کو مختلف ابواب کے تحت مرتب کیا ہے جبکہ اس کتاب میں ایک سو انتالیس (139) احادیث کو بغیر کسی باب کے عنوان کے جمع کر دیا ہے۔ اس میں پہلی حدیث انہوں نے اپنے استاد غندرؒ سے بیان کی ہے اور المصنف میں ”کتاب الايمان و الرؤيا“ کی پہلی حدیث انہوں نے اپنے استاد اسماعیل بن علیہؒ کی سند سے ذکر کی ہے۔ اس ترتیب و تبویب سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں کتب الگ الگ ہیں اگرچہ ان میں بہت سی روایات ملتی جلتی بھی ہیں۔ طرزِ تالیف اور مختلف سندوں سے روایات کو پیش کرنا اس بات پر شاہد ہے کہ یہ کتاب ”الايمان لابن ابی شيبه“ ایک الگ مستقل کتاب ہے۔ اس میں موصوف نے ایمانیات اور فرق باطلہ کے رد کے متعلق روایات کو یکجا کر دیا ہے۔ اس کے منہج و اسلوب کی مزید کچھ وضاحت چند نکات کی روشنی میں حسب ذیل ہے:

¹ - ابن ابی شيبه، ابوبکر عبد اللہ بن محمد، الكتاب المصنف في الاحاديث والآثار، تحقيق: حمد بن عبد الله جمعه، مكتبة الرشد الرياض، 2004ء، 1: 80

² - الرساله المستطرفه، ص: 45

1. امام ابن ابی شیبہ نے اس کتاب میں بغیر کسی مخصوص ترتیب کے احادیث نبویہ کو یکجا کیا ہے۔
2. اس میں حدیث کی سند ہمیشہ ”حدثنا“ یا ”أخبرنا“ سے شروع ہوتی ہے۔ البتہ اس میں ”حدثنا“ کے الفاظ کا استعمال ”أخبرنا“ سے زیادہ ہے۔
3. روایات کو جمع کرتے ہوئے صرف صحیح روایات لانے کا التزام نہیں کیا گیا بلکہ ایمانیات اور فرق باطلہ کے رد میں ہر قسم کی روایات جمع کر دی گئی ہیں۔
4. اس میں موضوع و من گھڑت روایات کے ذکر سے اجتناب کیا گیا ہے۔
5. کتاب کے شروع میں سند مذکور ہے۔
6. کتاب کا آغاز بسم اللہ سے کیا گیا ہے۔
7. کتاب کا اختتام اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور درود شریف سے کیا گیا ہے۔

خصوصیات

اس کتاب کی چند نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں:

1. یہ کتاب اپنے موضوع پر لکھی جانے والی ابتدائی کتب میں شمار ہوتی ہے۔
2. ایمانیات سے متعلق ایک بہترین مجموعہ ہے کیونکہ اس میں مصنف نے صرف ایمانیات سے متعلقہ روایات ہی جمع کی ہیں۔
3. اس میں مرفوع متصل روایات کے ساتھ ساتھ مرسل، موقوف اور مقطوع روایات بھی ذکر کی گئی ہیں۔
4. اس کی اکثر روایات کی اسانید ”شیخین کی شرط پر صحیح“ ہیں۔
5. اس کی اکثر روایات المصنف اور کتب صحاح ستہ میں موجود ہیں۔
6. اس میں (134) احادیث ہیں جو صحابہ کرام سے مروی ہیں۔
7. صحابیات کی روایات کی تعداد پانچ (5) ہے جن میں سے چار حضرت عائشہؓ سے اور ایک حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔
8. بعض مقامات پر احادیث کے مختلف طرق اور الفاظ بھی بیان کیے گئے ہیں۔

9. متعدد روایات کو بیان کرتے ہوئے سند کے صرف تین واسطے بیان کیے گئے ہیں۔

10. اس میں اکثر احادیث کی اسناد نہایت مختصر ہیں۔

تحقیقات و طبعات

پہلے تو یہ کتاب ایک مخطوطہ کی شکل میں تھی لیکن اب یہ کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔ یہ رسالہ ”الایمان لابن ابی شیبہ“ پہلی مرتبہ شیخ ابو العباس احمد بن ابی الفضائل ابن ابی المجدالد حمیسی کے لکھے ہوئے مخطوطہ پر طبع کیا گیا، جو 732ھ میں لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ المکتب الاسلامی بیروت اور المکتب الاسلامی دمشق سے 1963ء میں شائع ہوئی اور یہی کتاب 1963ء میں المطبع العمومیہ سے بھی شائع ہوئی۔ اس کو مجمع العلمی العربی، دمشق نے بھی طبع کیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے دار ارقم کویت سے 1985ء میں شائع کیا گیا۔ یہ شیخ ناصر الدین البانی کی تحقیق کے ساتھ المکتب الاسلامی بیروت اور المکتب الاسلامی دمشق سے 1983ء میں شائع ہوئی ہے، جس کے حقوق طبع المکتب الاسلامی کے مالک زہیر شاولیش کے پاس محفوظ ہیں۔ یہ کتاب بغیر کسی تحقیق کے بھی طبع ہوئی ہے، جس کو (ar.wikisource.org/wiki) پر بھی آپ لوڈ کیا گیا ہے جس میں صرف ایک مقدمہ ہے اور یہ صرف چھ صفحات پر مشتمل ہے۔

مخطوطات

قبل از اشاعت یہ کتاب کافی عرصے سے مخطوطے کی صورت میں ہی تھی۔ اس کے کئی مخطوطات ہیں البتہ شیخ البانی کو دوران تحقیق جو مخطوطے میسر تھے وہ یہ ہیں: ”نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق، نسخہ شیخ ابو العباس احمد بن ابی الفضائل، نسخہ مکتبہ الشیخ حامد الفقی، نسخہ جامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ“۔

④ کتاب الأدب

اس کتاب کا نام ”الأدب“ ہے جو ”کتاب الأدب“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بلاشبہ کتب احادیث میں نہایت منفرد مقام رکھتی ہے۔

تعارف اور مقام

اس کتاب میں امام ابن ابی شیبہؒ نے اخلاق و آداب سے متعلق روایات کو جمع کیا ہے۔ اس کتاب کو مختلف ابواب کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے جن کی تعداد نوے (90) ہے۔ یہ امام ابن ابی شیبہؒ کی شاہکار کتاب ہے جو اسلامی اخلاق و آداب میں انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں موصوف نے آداب و اخلاق سے متعلق نہ

صرف احادیث نبویہ بلکہ صحابہ و تابعین کے اقوال بھی جمع کیے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ ہر فرد اور ہر گھر کی خاص ضرورت ہے تاکہ اسلام کا معاشرتی نظام بحال ہو سکے اور اولاد و والدین کے مابین بہترین تعلقات قائم ہو سکیں۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بنیادی مصادر میں شمار کی جاتی ہے۔ امام بخاری، امام مسلم اور دیگر متعدد محدثین نے اپنی کتب حدیث میں اس کتاب سے روایات نقل کی ہیں۔

اہل علم کی آراء

ابن ندیم اور ڈاکٹر فواد سیزگین نے اس کتاب کو امام ابن ابی شیبہ کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور محقق ڈاکٹر رضا قہوجی اس کتاب کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”امام ابن ابی شیبہ کی یہ کتاب ’الادب‘ اپنے موضوع کے لحاظ سے بنیادی کتاب ہے جس میں احادیث نبویہ اور اقوال و آثار صحابہ کی روشنی میں اسلامی طرز زندگی، اسلامی آداب و اخلاق اور آداب حسن معاشرت جیسے مضامین کو نہایت عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے اور اسلامی طرز زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔“⁽¹⁾

منہج و اسلوب

یہ کتاب ایک خاص انداز سے مرتب کی گئی ہے جس میں اخلاق و آداب سے متعلقہ احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کے طرز تحریر سے قاری اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ وہ امام ابن ابی شیبہ کی علمی قدر و منزلت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ یہ کتاب حجم کے اعتبار سے دو چھوٹے اجزاء اور ایک جلد پر مشتمل ہے، ہر جزء میں احادیث کو مختلف ابواب کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے جزء میں ”انسان کی عام زندگی، ایک انسان کا معاشرے میں لوگوں سے میل جول، اہل علم و فضل شخصیات کا ادب و احترام کرنے کا حکم، ان شخصیات کا مذاق اڑانے کی ممانعت اور باہمی میل جول کے وقت سلام“ جیسے موضوعات پر مشتمل احادیث جمع کی گئی ہیں۔ جبکہ دوسرے جزء میں ”زبان کی حفاظت، سونے کے آداب، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہوئے پیاسے کو پانی پلانا، بھوکے کو کھانا کھانا، غریب و لاچار کے ساتھ تعاون کرنا، غیر مسلموں کے حقوق و آداب، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے آداب وغیرہ“ جیسے ابواب پر مشتمل احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا پہلا جزء پچاس (50) ابواب اور دوسو سترہ (217) احادیث پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے جزء میں چالیس (40) ابواب

¹ - ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبد اللہ بن محمد، مقدمة المحقق كتاب الادب، تحقيق: دكتور محمد رضا

اور دو سو پانچ (205) احادیث ہیں۔ یہ کتاب اسلامی طرز زندگی اور آداب حسن معاشرت کے ہر موضوع پر مشتمل احادیث کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ کا منہج تالیف بہت منفرد ہے۔ آپ سے پہلے کسی نے بھی الگ سے اس عنوان پر مستقل کوئی کتاب نہیں لکھی۔ البتہ آپ کے بعد علماء و محدثین نے اس طرز تصنیف کو مد نظر رکھتے ہوئے اس موضوع پر کتب مرتب کی ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف جمع احادیث بلکہ تدوین و تالیف کا بھی ایک حسین مرقع ہے جس نے اس کی خوبصورتی میں مزید نکھار اور اس کی اہمیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس کے منہج و اسلوب کی مزید توضیح ذیل میں چند نکات کی صورت میں پیش کی جاتی ہے:

1. اس کتاب میں احادیث کی بنسبت ابواب کی تعداد کم ہے۔
2. استفادہ میں سہولت کی غرض سے احادیث کو ابواب کے تحت بیان کیا گیا ہے۔
3. ہر باب کے تحت اسی سے متعلق روایات جمع کی گئی ہیں۔
4. اس کتاب میں صرف وہی احادیث جمع کی گئی ہیں جو امام ابن ابی شیبہؒ کے نزدیک صحیح ہیں۔
5. ایک حدیث کو مختلف طرق سے روایت کیا گیا ہے۔
6. بعض مقامات پر موضوع سے متعلقہ اشعار بھی بیان کیے گئے ہیں۔
7. نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب اشعار کو بھی اس میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خصوصیات

اس کتاب کی چند نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں:

1. یہ کتاب اس وقت لکھی گئی جب الگ سے اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہیں تھی۔
2. اس کی اکثر مرویات کتب صحاح ستہ میں موجود ہیں۔
3. اس کی ترتیب کتاب ”المصنف“ میں مذکور ”کتاب الادب“ کی ترتیب سے یکسر مختلف ہے۔
4. اس میں کتب و ابواب کی تعداد کم جبکہ احادیث کی تعداد کافی زیادہ ہے۔
5. اخلاق و آداب سے متعلقہ احادیث کا ایک مستند اور جامع مجموعہ ہے۔
6. اس میں مرفوع و متصل روایات کے ساتھ ساتھ مرسل، منقطع اور موقوف احادیث بھی جمع کی گئی ہیں۔

7. اس میں جمع کردہ اکثر احادیث مستند اور صحیح ہیں، بہت کم ایسی ہیں جن میں کچھ ضعف ہے۔

8. اس میں آثارِ صحابہ کے ساتھ ساتھ اقوالِ تابعین کو بھی جگہ دی گئی ہے۔

9. متعدد موضوعات سے متعلقہ اشعار بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔

تحقیقات و طباعت

اس کتاب پر دو مرتبہ تحقیق ہو چکی ہے۔ پہلی مرتبہ اس کتاب کو دار البشائر الاسلامیہ بیروت نے 1999ء میں محمد رضا قہوجی کی تحقیق کے ساتھ شائع کیا۔ اس کتاب کو اسی محقق کی تحقیق کے ساتھ دار احیاء التراث العربی لبنان نے بھی 1999ء میں شائع کیا۔ پھر اس کتاب کو حامد عبد اللہ محلاوی تیبی کی تحقیق کے ساتھ دار الکتب العلمیہ بیروت نے 2013ء میں شائع کیا۔ یہ کتاب انگلش میں بھی ترجمہ کی گئی ہے، جو اس ویب سائٹ ”<http://www.worlcat.org.com>“ پر موجود ہے۔

مخطوطات

امام ابن ابی شیبہؒ کی یہ کتاب بھی قبل از طباعت مختلف مخطوطات کی صورت میں ہی تھی۔ اس کتاب پر تحقیق کے دوران ڈاکٹر محمد رضا قہوجی کو جو نسخے میسر تھے وہ یہ ہیں: ”نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق، نسخہ دار الکتب قطر، نسخہ مکتبہ جامعہ الریاض“۔ انہی نسخہ جات کو مصدر بنا کر انہوں نے اس کتاب پر تحقیق کی ہے۔

خلاصہ کلام

امام ابن ابی شیبہؒ اپنے وقت کے ایک جلیل القدر محدث تھے۔ آپ نے ایک طرف جہاں خود اپنے زمانے کے نامور علماء و مشائخ سے تعلیم حاصل کی، وہاں دوسری طرف آپ سے کسب فیض کرنے والوں میں بھی بڑے نامور محدثین و فقہاء شامل ہیں جیسے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام احمدؒ وغیرہ۔ آپ نے علم حدیث کے فروغ میں متعدد علمی و تصنیفی خدمات پیش کیں، اس سلسلے میں آپ کی کتب اپنے اپنے موضوع پر بڑی معرکتہ آراء کتب شمار کی جاتی ہیں۔ ان تمام کے منہج و اسلوب کو علماء و محققین نے قابلِ تحسین قرار دیا ہے۔ یہ کتب نہ صرف ذخیرہ حدیث میں انمول اضافہ ہیں بلکہ حسن ترتیب و تالیف کا بھی شاہکار ہیں، جو ایک عرصہ مخطوطات کی صورت میں رہنے کے بعد اب دنیا کے مختلف اشاعتی اداروں سے متعدد اہل علم کی تحقیقات کے ساتھ طبع ہو چکی ہیں۔

مدنی فلاحی ریاست کی بنیادیں

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر*

پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد اختر**

ABSTRACT

Islam is a religion of peace, sacrifice, welfare, sympathy and service to the community. Islam focuses on the welfare of society and betterment of humanity. An analysis of Islamic teaching shows that one-fourth of these is about belief and worshipping whereas three-fourths are about dealings with others. According to Islamic teachings the important aspects of a society include but not limited to: right of life, life security, safety and care of self-respect, right of justice and human equality etc. The welfare of society in the days of Holy Prophet (SAW) was based on the Quranic principle that Allah created mankind from one male and one female. Therefore, all the people are equal. Similarly, people used to spend money in the way of Allah and service to the community during the days of Holy Prophet (SAW). The Holy Prophet (SAW) has asked people to serve each other, spend money for helping needy people and work collectively for the uplift of society. After Hijrah, The Prophet (SAW) established a state where the governing principle was welfare of humanity. These are the main guidelines to be followed forever, till the day of judgement

Keywords: اسلام، امن، ولیفیر، خدمت، ہجرت، انسانیت

* چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، لاہور کیمپس
** سابق چیئر مین شعبہ اصول الدین، جامعہ کراچی

اسلام امن، سلامتی، صلاح و فلاح، ایثار و ہمدردی، غم خواری، غم گساری اور خدمتِ خلق کا دین بن جاتا ہے جس کا پیغام فلاح معاشرہ اور اصلاح انسانیت ہے۔ اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ایک چوتھائی حصہ عقائد و عبادات کا ہے جب کہ تین چوتھائی توجہ معاملات پر ہے۔ خیر الناس من ینفع الناس کے مصداق بہترین افراد وہی ہیں جو دوسرے انسانوں کی خیر خواہی اور نفع مندی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ ایک مسلم معاشرہ کے افراد خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں اور اسلامی ریاست کے ادارے اور ملازمین بھی رفاہ عامہ اور عوامی فلاح و بہبود کی تدابیر پر عمل پیرا دکھائی دیتے ہیں جس میں حق طلبی سے زیادہ فرائض کی ادائی کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔

مدنی ریاست کے کلیدی محرکات و پہلو

اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے جو دنیا میں صحت مند معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے۔ اس کی تعلیمات میں جا بجا اسی کا پرچار نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو بنی نوع آدم کی ذہنی، فکری و عملی اصلاح کی طرف توجہ کے ساتھ ساتھ اسی مقصدِ عظیم کے لیے مبعوث کیا اور تمام مبعوثین کا دین اسلام ہے۔ جنہوں نے دنیا میں اس پیغام کو پہنچایا اور اپنی عملی زندگی سے حکم ربی کا حق ادا کر دیا۔ اسلام کی تعلیمات میں اسلامی معاشرہ کی مختلف جہتوں اور پہلوؤں کو اسلام نے درج ذیل نکات پر واضح کیا ہے جن کو مقاصد شریعت بھی کہا جاتا ہے۔

1- حق زندگی

ان میں اولین چیز زندہ رہنے کا حق اور انسانی جان کے احترام کا فرض ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

جَمِيعًا﴾⁽¹⁾

”جس شخص نے کسی ایک انسان کو قتل کیا، بغیر اس کے کہ اس سے کسی جان کا بدلہ لینا ہو یا وہ زمین

میں فساد برپا کرنے کا مجرم ہو، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔“

2- تحفظ جان

﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾⁽²⁾

¹ - المائدہ 5: 32

² - ایضاً

”اور جس نے کسی نفس کو بچایا، اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔“

اسلام میں کسی بھی صورت میں خودکشی کا جواز نہیں ملتا۔ یعنی اسلام اپنے حلقہ میں آنے والوں سے یہ عہد لیتا ہے کہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں آپ اپنی زندگی ختم نہیں کر سکتے ہیں چہ جائیکہ آپ کسی دوسرے سے زندگی کا حق چھین کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیں۔

3۔ تحفظ عز و شرف

اسلام کے دیے ہوئے انسانی حقوق میں یہ ہے کہ عورت کی عصمت بہر حال محترم ہے، خواہ وہ اپنی قوم کی ہو یا دشمن قوم کی۔ مسلمان کسی حالت میں بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ اس کے لیے نہ صرف زنا کو حرام قرار دیا ہے بلکہ زنا کے مقدمات سے بھی منع کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے الفاظ ہیں ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ﴾^(۱) یعنی ’زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔‘ اور مزید برآں اس فعل کی سزا مقرر کر دی گئی ہے۔ یہ حکم کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ عورت کی عصمت پر ہاتھ ڈالنا ہر حالت میں حرام ہے اور کوئی مسلمان اس فعل کا ارتکاب کر کے سزا سے نہیں بچ سکتا، خواہ دنیا میں سزا پائے یا آخرت میں۔ عورت کی عصمت کے احترام کا یہ تصور اسلام کے سوا کسی دوسری تہذیب میں نہیں پایا جاتا۔

قرآن مجید میں صاف حکم ہے کہ ﴿لَا يَنْسَخُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ﴾^(۲) ”لوگ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں۔“ ایک دوسرے کی تضحیک نہ کریں۔ ﴿وَلَا تَكْلِمُوا أَنْفُسَكُمْ﴾^(۳) ”اور تم آپس میں ایک دوسرے پر چوٹیں نہ کرو۔“ پھبتیاں نہ کسو، الزام نہ دھرو، طعن نہ دو، کھلم کھلا یا زیر لب یا اشاروں سے اس کی تذلیل نہ کرو۔ ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾^(۴) ”ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔“ ﴿وَلَا يَغْتَابَ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾^(۵) ”اور تم میں سے کوئی کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی نہ کرے۔“

¹ - الاسراء 17:32

² - الحجرات 49:11

³ - ایضاً

⁴ - ایضاً

⁵ - الحجرات 49:12

4- سائل و محروم کا حق

قرآن مجید میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ ﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾⁽¹⁾ ”اور مسلمانوں کے مالوں میں مدد مانگنے والے اور محروم رہ جانے والے کا حق ہے۔“ تو اس حکم کے الفاظ بجائے خود مطلق ہیں۔ پھر یہ حکم مکہ میں دیا گیا تھا جہاں کوئی مسلم معاشرہ باقاعدہ بنا ہی نہ تھا اور بالعموم مسلمانوں کو غیر مسلم آبادی ہی سے سابقہ پیش آتا تھا۔ اس لیے آیت کا صاف مطلب یہی ہے کہ مسلمان کے مال پر ہر مدد مانگنے والے اور ہر محروم رہ جانے والے انسان کا حق ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اپنی قوم یا اپنے ملک کا ہو یا کسی دوسری قوم، ملک یا نسل سے تعلق رکھتا ہو۔

5- حق حریت

اسلام میں کسی آزاد انسان کو پکڑ کر غلام بنانا یا اسے بیچ دینا قطعی حرام قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کے خلاف قیامت کے روز میں خود مستغنیث (استغاثہ پیش کرنے والا) ہوں گا۔ ان میں ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد انسان کو پکڑ کر بیچے اور اس کی قیمت کھائے (رجل باع حراً فأكل ثمنه)⁽²⁾ اس فرمان رسول ﷺ کے الفاظ بھی عام ہیں۔ ان کو کسی قوم یا نسل یا ملک و وطن کے انسان کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا ہے۔

6- انصاف کا حق

یہ ایک بڑا اہم حق ہے جو اسلام نے انسان کو بحیثیت انسان عطا کیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدَّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا﴾⁽³⁾

”کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انہیں مسجد الحرام سے روک کر تم ناروا زیادتی کرنے لگو۔“

¹ - الذاریات 19:51

² - البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبة دار السلام، الرياض، 1998ء، کتاب البیوع، باب

اثم من باع حراً، رقم الحدیث: 2227

³ - المائدہ 2:5

آگے چل کر پھر فرمایا:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾⁽¹⁾
 ”اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔“

7۔ انسانی مساوات

اسلام نہ صرف یہ کہ کسی امتیاز رنگ و نسل کے بغیر تمام انسانوں کے درمیان مساوات کو تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے ایک اہم اصول حقیقت قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاٖۗٔلَ لِتَعَارَفُوْۤا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾⁽²⁾

”اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مذکر اور مونث سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں گروہ اور قبائل میں بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔“

اس مضمون کو رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے:

(اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰٓى اَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰٓى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰٓى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰٓى اَحْمَرَ..... كُلُّكُمْ بَنُوْۤا اٰدَمَ ، وَاَدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ)⁽³⁾

”کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، نہ عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے۔ نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔“

¹۔ المائدہ 5:2

²۔ الحجرات 49:13

³۔ ہیثمی، علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد، مكتبة القدسی، قاہرہ، 1994ء، 3:66، 8:84

8- نیکی میں تعاون بدی سے اجتناب

اسلام نے ایک بڑا اہم قاعدہ کلیہ یہ پیش کیا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾⁽¹⁾

”نیکی اور پرہیز گاری میں تعاون کرو، بدی اور گناہ کے معاملے میں تعاون نہ کرو۔“

9- غیر مقاتلین کے حقوق

اسلام میں سب سے پہلے دشمن ملک کی مقاتل (Combatant) اور غیر مقاتل (Non-Combatant) آبادی کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ جہاں تک غیر مقاتل آبادی کا تعلق ہے (یعنی جو لڑنے والی نہیں ہے یا لڑنے کے قابل نہیں ہے مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، اندھے، اپاہج وغیرہ) اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات یہ ہیں:

(لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا امرأة)⁽²⁾

”کسی بوڑھے، کسی بچے اور کسی عورت کو قتل نہ کرو۔“

(لا تقتلوا الولدان واصحاب الصوامع)⁽³⁾

”بچوں اور خانقاہ نشین راہبوں کو قتل نہ کرو۔“

جنگ میں ایک موقع پر حضور ﷺ نے ایک عورت کی لاش دیکھی «فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ»⁽⁴⁾ ”عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کر دیا۔“

10- بد عہدی کی سخت ممانعت

اسلام میں بد عہدی کی بھی سختی سے ممانعت کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ فوجوں کو بھیجتے وقت جو ہدایات

¹- المائدہ 2:5

²- ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، مكتبة دارالسلام، الرياض، 1998ء، كتاب الجهاد، باب في دعاء المشرکین، رقم: 2614

³- مجمع الزوائد، 316:5

⁴- صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب قتل النساء في الحرب، رقم الحديث: 3015

دیتے تھے، ان میں سے ایک یہ تھی کہ لا تغدروا^(۱) ”بد عہدی نہ کرنا۔“
قرآن مجید اور احادیث میں اس حکم کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے کہ دشمن اگر عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کرے لیکن تم کو اپنے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کبھی نہ کرنا چاہیے۔

11- مال کا تحفظ

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو تقریر فرمائی تھی اس میں فرمایا تھا کہ تمہاری جانیں اور تمہارے مال ایک دوسرے پر قیامت تک کے لیے حرام ہیں۔ (إِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ)^(۲)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾^(۳) ”ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو۔“ اسلام نے تمام ناجائز و حرام ذرائع آمدن پر پابندی لگا رکھی ہے اور ہر وہ معاملہ جو ظلم پر مشتمل ہو اس کو حرام قرار دیا اور اہل اسلام کو اس سے منع کر دیا۔

12- نجی زندگی کا تحفظ

اسلام اپنی مملکت کے ہر شہری کا یہ حق قرار دیتا ہے کہ اس کی نجی زندگی میں کوئی ناروا مداخلت نہ ہونے پائے۔ قرآن مجید کا حکم ہے: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوا﴾^(۴) ”ایک دوسرے کے حالات کا تجسس نہ کرو۔“ ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا﴾^(۵) ”اپنے علاوہ لوگوں کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔“

13- قضاۃ کی غیر جانبداری

قرآن کا صاف حکم ہے: ﴿وَإِذَا حُكِمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾^(۶) ”اور جب تم لوگوں کے

¹- مسلم بن حجاج، الجامع الصحيح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (س ن)، کتاب الجہاد والسیر، باب تأمیر الامراء الإمام علی البعوث، رقم: 1731

²- صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ایام منی، رقم: 1741

³- البقرہ 2: 188

⁴- الحجرات 49: 12

⁵- النور 24: 27

⁶- النساء 4: 58

درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (وَاَيْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا) ⁽¹⁾
 ”اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“

14۔ مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق

آزادی اعتقاد و آزادی ضمیر کے ساتھ اسلام نے لوگوں کو یہ حق بھی دیا ہے کہ ان کی مذہبی دل آزاری نہ کی جائے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ ⁽²⁾

”جن معبودوں کو یہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں، ان کو گالیاں نہ دو۔“

15۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق

اسلام کے دیے ہوئے حقوق میں سے ایک ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظَلَمَ﴾ ⁽³⁾

”اللہ برائی کے ساتھ آواز بلند کرنا پسند نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔“

عہد رسالت اور فلاح معاشرہ

دین اسلام نے انسانوں کے بارے میں جو آفاقی و ابدی نظریہ دیا ہے اس میں پیدائش کے لحاظ سے وحدت انسانیت کا تصور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّن ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقٰكُمْ﴾ ⁽⁴⁾

¹ - صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة، رقم الحديث: 2523

صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره، رقم الحديث: 1114

² - الانعام: 108

³ - النساء: 148

⁴ - الحجرات: 13

”اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مذکر اور مونث سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں گروہ اور قبائل میں بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔“

اسلام نے تمام انسانوں کو بغیر کسی نسل، وطن اور قومی تفریق کے خطاب فرمایا ہے۔
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(الخلق کلهم عیال الله، فأحب خلقه إليه، أنفعهم لعیالہ)^(۱)

”تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے سو ان میں سے اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ شخص ہے جو اپنی عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔“

عہد رسالت کے نظام کا مشاہدہ کیا جائے تو انفاق فی سبیل اللہ اور خدمت خلق کی کارروائیوں اور سرگرمیوں کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔ اسلام میں اس نوع کی تمام رواداری، رفاہی، اصلاحی اور سماجی سرگرمیوں کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے۔ نمود و نمائش سے خدمت خلق کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ عہد رسالت میں فلاح معاشرہ کا تصور خالصتاً رضائے الہی اور حکم خداوندی کے عین مطابق تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اللہ کی وحی کے خلاف کوئی فعل سرزد نہ ہوتا تھا۔

ارشادات باری تعالیٰ ہیں:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْعَفُوفُ﴾^(۲)

”جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾^(۳)

^۱ - بیہقی، احمد بن حسین، شعب الایمان، مکتبۃ الرشید، الرياض، 1423ھ، 521:9

^۲ - الملک 67:2

^۳ - الحج 22:77

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! رکوع اور سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو

شاید کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔“

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾⁽¹⁾

”تم نیکو کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہو گا۔“

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾⁽²⁾

”(اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی تنگی تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾⁽³⁾

”اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔“

درج بالا آیات کی طرح ایسی سیکڑوں نصوص ہیں کہ جن کی عملی شکل آپ ﷺ کی عملی زندگی تھی۔ ان احکام اور آیات کا نقشہ ہمیں عہد رسالت میں مکی دور کے تیرہ سالوں اور مدنی عہد کے دس سالوں میں نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

احادیث میں فلاحی معاشرے کا تصور اچھی طرح اجاگر کیا گیا ہے جو درج ذیل ہے:

¹- آل عمران 92:3

²- الحشر 9:59

³- الدھر 8:76

آپ ﷺ نے فرمایا:

(إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ خَلْقًا حَوَائِجِ النَّاسِ، يَفْزَعُ النَّاسُ إِلَيْهِمْ فِي حَوَائِجِهِمْ،
أُولَئِكَ الْأَمْنُونَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ) ^(۱)

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو انسانی ضروریات کے لیے پیدا کیا کہ ضرورت کے وقت عام لوگ اپنی ضرورت پیش کریں اور وہ ان کو پورا کریں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف رہیں گے اور امن کی زندگی بسر کریں گے۔“
(إِنَّ اللَّهَ أَقْوَامًا اخْتَصَّهُمْ بِالنِّعَمِ لِمَنَافِعِ الْعِبَادِ، يَقْرَهُمْ فِيهَا مَا يَبْذُلُونَهَا فَإِذَا
مَنْعُوهَا نَزَعَهَا مِنْهُمْ فَحُوْلَهَا إِلَى غَيْرِهِمْ) ^(۲)

”بہت سی قوموں کو اللہ تعالیٰ بڑی بڑی نعمتیں اس لیے مرحمت فرماتا ہے کہ وہ لوگوں کی خدمت کریں اور ان کی ضرورتیں پوری کریں، خوشی سے یہ کام انجام دیتے رہیں۔ نہ اس سے اکتائیں اور نہ گھبرائیں اور جب وہ لوگ خدمت سے تنگ ہو کر اکتا جائیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ان نعمتوں کو ان سے چھین کر دوسروں کے حوالے کر دے گا۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

(عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: فَيَعْمَلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ
وَيَتَصَدَّقُ قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ
قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ أَوْ قَالَ: بِالْمَعْرُوفِ قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟
قَالَ: فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ) ^(۳)

”ہر مسلمان پر صدقہ ضروری ہے۔ عرض کیا گیا کہ اگر وہ کچھ بھی نہ پائے؟ فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے اپنی ذات کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے۔ کہا گیا کہ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو؟

^۱ - طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الكبير، مكتبة ابن تيمية، القاهرة، سن ۳۵۸: ۱۲

^۲ - المعجم الكبير: ۲۰۷: ۱۳

^۳ - البخاري، الجامع الصحيح، كتاب الادب، باب كل معروف صدقة، رقم الحديث: ۶۰۲۲

فرمایا: فریادی، مظلوم اور حاجت مند کی اعانت کرے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر یہ بھی ہمت نہ ہو تو؟ فرمایا: نیکی اور بھلائی کی بات لوگوں کو بتائے۔ کہا اگر یہ بھی نہ کر سکے؟ تو فرمایا: شرارت اور تکلیف پہنچانے سے باز رہے، یہی اس کے حق میں صدقہ ہے۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
(أَطْعَمُوا الْجَائِعَ، وَعَوَّدُوا الْمَرِيضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ) ^(۱)

”بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کی رہائی کا سامان کرو۔“

مدنی معاشرہ میں فلاح معاشرہ کی بنیادیں

ہجرت کے بعد اسلامی ریاست کے باقاعدہ نمو کا دور تھا اور اسلامی ریاست کی بنیاد ہجرت کے ساتھ ہی پڑ چکی تھی۔ مدینہ میں آکر نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے پیش نظر اصلاحی و فلاحی معاشرہ قائم کیا جس کے رہتی دنیا تک اثرات مرتب ہوئے اور مدینہ میں کیے گئے فلاحی کاموں کی بنیادیں قیامت تک معاشروں کے لیے تعمیر انسانیت کا سامان فراہم کرتی رہیں گی۔

ہجرت کے بعد نبی اکرم ﷺ کے مدینہ میں فلاحی کام درج ذیل ہیں:

1۔ مسجد قباء کی تعمیر

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا فلاحی مرکز مسجد قباء تعمیر کروایا۔ یہاں آپ ﷺ نے چند روز قیام کے بعد 12 ربیع الاول 13 نبوی کو مسجد قباء کی بنیاد رکھی اور اس کار خیر میں آپ ﷺ نے خود حصہ لیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ایک پتھر لا کر قبلہ رخ رکھا۔ آپ ﷺ کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ اس کے بعد دیگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے پتھر لا کر رکھنا شروع کیے اور تعمیر کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ ﷺ بھی بھاری پتھر اٹھا کر لاتے اور بسا اوقات پتھر اٹھانے کی غرض سے شکم مبارک سے لگا لیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ! آپ (ﷺ) رہنے دیں، ہم اٹھالیں گے، تو آپ ﷺ قبول نہ فرماتے۔ ^(۲)

مسجد قباء اصلاحی، مذہبی اور فلاحی ادارہ تھا کہ جس میں ایک مقصد کے لیے تمام مسلمان اکٹھے ہوتے اور

¹ - البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاطعمه، رقم: 5373

² - کاندہلوی، محمد ادریس، سیرت مصطفیٰ ﷺ، کتب خانہ مظہری، کراچی، سن، 1: 385

اجتماعیت کی شکل بنتی۔ اجتماعیت میں ہی فلاحی سوچ پروان چڑھتی ہے، گویا یہ مدینہ میں فلاحی اجتماعیت کی بنیاد تھی۔

2۔ مسجد نبوی کی تعمیر

مسجد قباء کی تعمیر کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے مدینہ میں مسجد کے لیے ایک جگہ منتخب کی۔ یہ جگہ سہل اور سہیل نامی دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ یہ لڑکے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں بلا کر یہ زمین فروخت کرنے کا فرمایا۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم اس کی قیمت اللہ تعالیٰ سے ہی لیں گے اور آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہبہ بلا قیمت پیش کرتے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے ہدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی قیمت دے کر مسجد کی تعمیر شروع کرائی۔ مسجد کی تعمیر میں آپ ﷺ نے خود شرکت کی۔ انہیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور شعر پڑھتے:

هَذَا الْحِمْلُ لَا حِمَالَ خَيْرٌ هَذَا أَكْبَرُ رَبَّنَا وَأَظْهَرُ
وَيَقُولُ:

اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ^(۱)

”یہ بوجھ اٹھانا (آخرت کے لیے ہے) یہ خیر کا بوجھ اٹھانا نہیں۔ اے ہمارے رب! یہ بوجھ اٹھانا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور بہت پاکیزہ عمل ہے۔ اے اللہ! آخرت کی خیر کے سوا کوئی خیر نہیں پس انصار اور مہاجرین پر رحم کر۔“

مسجد نبوی وہ فلاحی ادارہ تھا کہ جس میں مسلمانوں کے اجتماعی فیصلے اور فلاح و بہبود کے تمام کام سرانجام دیے جاتے تھے۔ یہ وہ فلاحی مرکز تھا جس میں عامۃ المسلمین کے علاوہ غیر ملکی و فود کا دورہ بھی ہوتا اور ان مہمانوں کو مسجد نبوی میں ہی ٹھہرایا جاتا۔ اسی طرح مسلمانوں کے دیگر اجتماعی معاملات بھی اسی فلاحی مرکز میں طے پاتے تھے۔

3۔ مواخات

متذکرہ بالا دو مساجد کی تعمیر کے بعد مہاجرین کی اقامت کا مسئلہ تھا۔ آپ ﷺ نے فلاحی تدبیر کے ساتھ مہاجرین کو انصار مدینہ کے ساتھ مواخات کے رشتہ سے پیوستہ کر دیا کہ ایک انصاری ایک مہاجر کا بھائی بن جائے اور اسے اپنے مال و آبرو میں حصہ دے۔ اس طرح یہ عظیم فلاحی منصوبہ کامیاب ہوا۔ مہاجرین اکثر خالی ہاتھ

^۱ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب ہجرة النبی ﷺ واصحابه الى المدينة، رقم: 3906

بے سروسامانی کے عالم میں صرف اپنا جسم و جان سلامت لے کر آئے تھے۔ اکثر کے گھر بار، بال بچے اور بیویاں بھی اپنے علاقوں اور بستیوں میں رہ گئی تھیں یا کفار نے چھین لی تھیں۔ ایسے حالات میں اتنے بے سروسامان لوگوں کا مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں آجانا مسلمانوں اور حکومت کے لیے گمبھیر مسئلہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے مواخات کے ذریعے حل کیا۔ مواخات کا مطلب ہے ایک دوسرے کو باہمی بھائی بنانا۔

آپ ﷺ نے انصار کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر جمع کیا اور فرمایا:

”ہر شخص ایک مہاجر کو لے لے، دونوں مل کر کام کریں اور کمائیں اور مل کر کھائیں۔ انصار نے ایثار کیا، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہماری آدھی زمینیں مہاجرین کو مستقل طور پر دے دیجیے۔ لیکن خود دار مہاجرین نے یہ قبول نہ کیا اور کہا غیر مزروعہ زمینیں انہیں دے دیں اور پیداوار کا ایک بڑا حصہ بطور اجرت لے لیا کریں۔“⁽¹⁾

انصار نے ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنائے جانے کے فرمان نبوی کو انتہائی خوش دلی سے قبول کیا اور اس طرح سیڑوں بے روزگاروں کا مسئلہ ایک دن میں حل ہو گیا۔ اس مواخات میں کافی عرصے تک باہمی وراثت بھی چلتی رہی پھر یہ سلسلہ وحی سے منسوخ کر دیا گیا۔

مواخات کے اس فلاحی منصوبے کے ذریعے آپ ﷺ نے نوزائیدہ اسلامی حکومت میں آمدہ مہاجرین کا معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسئلہ حل کر لیا۔ مدینہ کے معاشرہ میں باہم فلاحی تعاون کی یہ پہلی مثال ہے جو آپ ﷺ نے مواخات سے قائم کی۔

4- میثاقِ مدینہ

مہاجرین و انصار کے مواخات کے بعد شہر کی بقیہ آبادی کی تنظیم کی طرف توجہ دی گئی۔ چونکہ مدینہ میں مختلف اقوام و قبائل اقامت پذیر تھے۔ ضروری تھا کہ ایسے معاشرہ میں امن و آشتی کے لیے اقدامات کیے جاتے۔ آپ ﷺ نے اقوام مختلفہ کے درمیان ایک فلاحی معاہدہ کیا اور یہ دنیا کا پہلا معاہدہ اور فلاحی دستور تھا جو لوگوں کے درمیان رواداری، برابری، ایک دوسرے کی سلامتی اور امن و عافیت کے لیے کیا گیا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ان کے والد کے مکان میں سارے مسلم و غیر مسلم قبائل کے نمائندوں کا اجتماع ہوا اور آنحضرت ﷺ کی تجویز پر سب متفق ہو گئے کہ بیرونی حملوں کے دفاع اور اندرونی جھگڑوں کے تصفیہ وغیرہ کے لیے شہر میں ایک تنظیم عمل میں لائی جائے اور ایک شخص کو بطور حاکم اعلیٰ متعین کیا

¹ ابن سعد، محمد، الطبقات الكبرى، مكتبة العلوم والحكم، مدينة المنورة، 1408ھ، 1: 23

جائے۔ حقوق و فرائض تحریری طور پر مرتب کیے گئے۔^(۱)

یہ دستاویز جو کسی مملکت کے لیے تحریری طور پر مدون کیے ہوئے دستور کی دنیا میں پہلی مثال اور اجتماعی معاہدہ تھی، اس کی 53 شقیں تھیں۔

میثاق مدینہ کی دفعات رواداری، مذہبی آزادی اور حسن تعاون پر مبنی تھیں اس لیے مدینہ کے اندر رہنے والی اقوام مختلفہ یہودی اور دیگر غیر مسلموں کے پاس بے اعتباری کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ان دفعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دنیا میں انسانی فلاح کا کس قدر خواہاں ہے۔ دنیا میں معاشروں کے درمیان امن و آشتی اور فلاح و بہبود کا ماحول بنانے کے لیے موجودہ معاشروں کے لیے میثاق مدینہ کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

5۔ صفہ کا فلاحی ادارہ

مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ ہی صفہ کا چبوترہ قائم کر دیا گیا جس میں طالبان علم ہر وقت اکٹھے رہتے اور یہ ادارہ ایک طرح کی اقامتی و فلاحی یونیورسٹی بھی تھی۔ ایسے نئے آئے مہاجرین اور طالب علم جو دین کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے یا مجاہدین جو جہاد کے لیے نکلتے یا انتظار میں رہتے تھے، یہاں آکر مقیم ہوتے۔ یہ سب لوگ نہایت غریب، بے سہارا اور بے گھر ہوتے تھے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی صحبت میں بیٹھ کر دین کی تعلیم و تربیت لیتے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور بیچتے یا دوسری مزدوری ملتی تو بھی کر لیتے۔ بعض اوقات مزدوری نہ ہونے اور کھانے کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے بھوکے رہتے۔ ان کی تعداد ستر (70) اور بعض اوقات چار سو (400) تک پہنچ جاتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (حدیث نبوی کے سب سے بڑے راوی جن سے پانچ ہزار تین سو چہتر ”5374“ احادیث مروی ہیں) کا تعلق بھی اصحاب صفہ سے ہے۔

ان لوگوں کی پرورش اور ضروریات کا خیال نبی ﷺ بقدر استطاعت کرتے تھے۔ کبھی ان کو دودھ پیش کرتے، کبھی کھانا دیتے۔ مدینہ منورہ میں صفہ کی بنیاد پر آج مسلم معاشرے میں دینی مدرسوں اور یتیم خانوں کی شکل میں فلاحی ادارے قائم ہیں۔

6۔ وقف املاک

نبی کریم ﷺ کی ترغیب سے لوگوں نے بہت سی املاک افادۂ عام کے لیے وقف کر دیں۔ مدینہ میں پینے کے پانی کی قلت تھی۔ پھر جو کنویں تھے ان میں سے اکثر یہودیوں کے تھے۔ ان سب سے قریبی کنواں بئر رومہ تھا۔ یہ کنواں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے کہنے پر چار ہزار دینار میں اس کے یہودی مالک سے

¹۔ ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، مصطفی البابی، مصر، 1375ھ 41:4

خرید اور اللہ کے لیے وقف کر دیا۔^(۱)

جب آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اپنے مال میں سے سب سے محبوب باغ کے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں پوچھا آپ ﷺ کے کہنے پہ یہ باغ اپنے رشتہ داروں، چچاؤں اور بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔^(۲)

مدینہ منورہ میں اس طرح کے دیگر واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ افادہ عام کے لیے وقف کیے جانے والی املاک کا ان لوگوں میں رواج تھا اور اس فلاحی کام کی باضابطہ ابتدا مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست میں ہوئی۔

7۔ غزوہ خندق میں حفاظتی حصار

شوال 5 ہجری میں بیرونی حملہ آوروں نے مدینہ کی آبادی پر یلغار کی تو مدینہ منورہ کے اجتماعی دفاع کے لیے آپ ﷺ نے صحابہؓ کے مشورہ کے ساتھ مدینہ کے گرد حملہ سے بچنے کے لیے خندق کھدوائی جس میں آپ ﷺ نے خود بھی حصہ لیا۔ خندق کھودنے کا کام سخت تھا کہ جس میں پتھروں کو توڑ کے آگے بڑھا جاسکتا تھا لیکن جانثاران نبوت نے اس اجتماعی مفاد کے کام میں یہ سخت مشکل مرحلہ بھی عبور کر لیا۔ خندق کی کھدائی کے دوران آپ ﷺ یہ اشعار پڑھتے:

اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الْآخِرَةِ فَاغْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ
وَاللَّهُ لَوْلَا اللَّهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزَلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَتَبَّتِ الْأَقْدَامُ إِنْ لَا قَيْنَا
إِنَّ الْأُكُلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَيْنَا

وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ: أَيُّنَا أَيْنَا^(۳)

”یا اللہ زندگی تو اصل میں آخرت کی ہی زندگی ہے۔ سو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔ یا اللہ! اگر تو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔ ہم پر سکینت نازل فرما۔ اگر

¹ - نسائی، احمد بن شعيب، السنن، كتاب الاحباس، باب وقف المساجد، مكتبة المطبوعات الاسلامية، حلب، 1406 هـ، رقم الحديث: 3606

² - البخاري، الجامع الصحيح، كتاب الزكاة على الاقارب، رقم الحديث: 1461

³ - البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الخندق وهي الاحزاب، رقم الحديث: 4098، 4104

دشمن سے مڈ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رکھ۔ ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے جب یہ لوگ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے۔“

آخری لفظ کو سب مل کر بار بار کہتے آئینا آئینا۔ یہ تمام عمل اہل مدینہ کے تحفظ اور اجتماعی فلاح کے لیے تھا۔

8۔ حاجت مندوں کی خدمت کی ترغیب

معاشرے میں نادار اور مفلس لوگوں کے لیے فلاحی اقدامات کی ضرورت ریاستی و انفرادی طور پر از بس ضروری ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے ایسے اقدامات و ترغیبات قیامت تک کے لیے آنے والی انسانیت کے لیے ایک نمونہ ہے کہ کس طرح آپ ﷺ نے اپنی ہدایات کے ذریعے مدینہ کی ریاست کو ایک فلاحی ریاست کا اعلیٰ نمونہ بنایا۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن صبح کے وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مضر قبیلے کے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور گلے میں تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔ ان کے بھوک و افلاس کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دکھ سے متغیر ہو گیا۔ آپ ﷺ اپنے گھر میں گئے، پھر جلد ہی واپس باہر تشریف لے آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے اذان اور پھر اقامت کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی اور لوگوں سے خطاب کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سورۃ الحشر کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾⁽¹⁾ ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے، اللہ سے ڈرتے رہو۔“

پھر فرمایا: ہر شخص اپنے دینار و درہم سے، اپنے کپڑوں سے، گندم کے صاع اور کھجور کی مقدار سے صدقہ کرے یہاں تک کہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔“

اس کے بعد انصار کا ایک شخص رقم کی تھیلی لے کر آیا جس سے اس کے ہاتھ تھک رہے تھے۔ پھر سامان لانے والوں کا تانتا بندھ گیا اور کھانے کی اشیاء اور کپڑوں کے دو بڑے ڈھیر لگ گئے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی و سرور سے سونے کی طرح چمکتا ہوا دیکھا۔
آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَعَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، فَعَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وَزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ⁽¹⁾

”جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ نکالا اور اس کے لیے اس کا اجر ہے اور ان لوگوں کا بھی اجر ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے اور ان پر عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا تو اس پر اس کا گناہ ہو گا اور ان لوگوں کا بھی گناہ ہو گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے اور ان سے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہیں کی جائے گی۔“

فلاح و بہبود کی مذکورہ صورت حال اور بنیادی تصورات ہمیں مدینہ کے اسلامی معاشرے سے بخوبی دکھائی دیتے ہیں۔

9۔ لوگوں کی مالی حالت کا خیال رکھنا

مال انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ انسانی معیشت سے ہی امور زندگی مرتب ہوتے ہیں اور اس پر انحصار کر کے وہ اپنے دنیاوی معاملات سرانجام دیتا ہے۔ معاشرے میں افلاس و غربت اور ناداری کا حل اجتماعی یا انفرادی طور پر فلاحی تدابیر پر عمل کرتے ہوئے مالی معاونت کو رواج دینا ہوتا ہے کہ مال انسان کی بقا کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾⁽²⁾

”اور تم بے وقوفوں کو ان کے مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا۔“

¹ - مسلم، الجامع الصحيح، کتاب الکسوف، باب الحث علی الصدقة رقم الحديث: 1017

² - النساء: 4:5

آپ ﷺ نے فرمایا:

كاد الفقر أن يكون كفرا^(۱)

”تنگ دستی وفاقہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔“

باہمی مالی ضرورتوں کے پورا کرنے کا اعلیٰ نمونہ دیکھنا ہو تو مدینہ میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کی زندگی کو دیکھا جاسکتا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ دور تک بیت المال کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے۔ اس نے آپ ﷺ سے بکریاں دینے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے سب کی سب دے دیں۔ اس شخص نے اپنے قبیلے میں جا کر کہا: (يَا قَوْمِ اسْلِمُوا، فَإِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِي عَطَاءً لَا يَخْشَى الْفَاقَةَ)^(۲) ”لوگو! اسلام قبول کر لو، محمد (ﷺ) ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ نہیں کرتے۔“

آپ ﷺ کی مدنی زندگی معاشرے میں مالی تعاون کے اقدامات کا بہترین نمونہ ہے اور اس کی مذکورہ مثال کی طرح درجنوں مثالیں ہیں۔ آپ ﷺ کا لوگوں کے متعلق اس رویہ کا اندازہ اس طور لگایا جاسکتا ہے کہ جو تنگ دست شخص آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوتا اگر آپ ﷺ کے پاس کچھ سرمایہ موجود ہوتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا کرتے ورنہ وعدہ فرما لیتے۔

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ اگر معاشرے میں افلاس و ناداری کا خاتمہ اور امن و آشتی کو رواج دینا ہے تو اس کے لیے مدینہ میں اسلامی معاشرے کو سامنے رکھنا از حد ضروری ہے کہ جس میں آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے فلاح معاشرہ کی بنیادیں فراہم کیں جن پر عمل کر کے قیامت تک کے لیے آنے والی انسانیت فیض یاب ہو سکتی ہے۔

نتیجہ بحث

اسلام کا تصور فلاح اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے انسانیت کی خدمت ہے اور یہی مطمح نظر اسلام کے ہر نام لیوا کا ہونا چاہیے کیونکہ ان کے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی اسوہ ہے اور عہد رسالت میں فلاح انسانیت کے مظاہر

^۱ -المتقى الهندى، علي بن حسام الدين، كنز العمال، مؤسسة الرسالة، بيروت، 1981ء، 6: 492

^۲ -مسلم، الجامع الصحيح، كتاب الفضائل، باب ما سئل رسول الله ﷺ شيئا قط فقال لا و كثرة عطائه، رقم

ہمیں آپ ﷺ کے مکی و مدنی ادوار میں جا بجا ملتے ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں فلاح انسانیت کے ایسے اقدامات کیے جو عالم انسانیت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ فلاح معاشرہ کے لیے مدینہ میں ہونے والے اقدامات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو دنیا میں ہر طبقہ کے لیے اس میں اصلاح و فلاح معاشرہ کا وافر سامان مل سکتا ہے۔

سرکاری مناصب و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر*

حافظ انتظار احمد**

ABSTRACT

Good governance has become a serious issue in today's political life. Corruption in public office holders has endangered the political system of Pakistan. In this state of affairs, it seems appropriate that we revert to Islamic teachings of Quran and Sunnah about honesty, integrity and responsible attitude in public life.

In this article I have described the criteria of employment suggested by Quran and Sunnah along with the principles of morality to which a government employee should adhere to. I have also mentioned the road-map which public servants should follow and unwanted practices from which they should refrain from in light of Seerah of the Holy Prophet (SAW).

Key Words: علم، قومی و امین، جسمانی صلاحیتیں، رشوت، بددیانتی

اسلام کی تعلیمات ابدی اور لافانی ہیں۔ اسلام زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہونے کی وجہ سے ہر دور کی رہبری و راہنمائی کی تعلیمات عطا کرتا ہے۔ ہر شعبہ حیات کے لیے قرآن و سیرت نبوی ﷺ میں بنیادی راہنما اصول موجود ہیں اور ان اصولوں کا ہر معاشرہ میں اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ ریاست، سیاست اور قیادت کے لیے بھی

* پروفیسر (ر) شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

** معاون ریسرچ جرنل الاضواء، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

یہاں ایسے بنیادی نکات موجود ہیں جو ہر دور کے معاشرہ کی ناگزیر ضرورت ہیں۔ یقیناً جس پیغام ربانی کے اتمام و اکمال اور اس پر راضی ہونے کا اعلان کتاب حکمت نے کیا ہے اس میں یہ اوصاف و کمالات ہونے چاہئیں۔ اس لیے اسلامی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں ’سرکاری ملازمین‘ (Public Servants) کے پیشہ دارانہ فرائض و ذمہ داریوں کے حوالہ سے بہت سی اہم اور بنیادی ہدایات اور راہنمائی کے نکات موجود ہیں۔

دستورِ زمانہ یہ ہے کہ عہدے اور منصب ایک اعزاز سمجھے جاتے ہیں لیکن اسلام میں یہ عہدے اور منصب ایک ’امانت‘ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نہایت اہم اور بنیادی فرق ہے جو ذمہ داریوں کی نوعیت اور عہدے دار کی حیثیت کو واضح کر دیتا ہے۔ اس ذمہ داری کی بجا آوری کے ہر پہلو کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا تصور ’منصب دار‘ کو ’خدمت گار‘ کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ یہ خدمت گار اپنے فرائض کی بجا آوری میں ہر لمحہ لرزاں و ترساں رہتا ہے کہ کہیں کو تاہی ہو گئی تو خدا کے سامنے، مصطفیٰ ﷺ، امت کی وکالت کرتے ہوئے میرے خلاف پیش ہوئے تو کیا جواب دوں گا؟ یہی وہ تصور تھا جس کی وجہ سے اکابرین امت کسی ذمہ داری کو قبول کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے واضح ہدایات ارشاد فرمائیں کہ عہدہ یا منصب کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے:

إنا، والله! لا نولي على هذا العمل أحداً سألناه ولا أحداً حرص عليه.⁽¹⁾
 ”اللہ کی قسم! ہم اس عمل پر کسی ایسے شخص کو عامل مقرر نہیں کرتے جو اس کا مطالبہ کرے اور نہ ہی اس کو جو اس کی تمنا کرے۔“

اس حدیث مبارک نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ جب عہدے مطالبات اور لالچ کی بنیاد پر مانگیں جائیں گے تو معاشرہ میں بے اعتدالی اور افسران میں لوٹ مار کا رجحان زور پکڑے گا۔ ایسے لوگوں کو جو ان عہدوں سے گریز کریں ان کو ’خیر الناس‘ قرار دیا ہے۔⁽²⁾ آپ ﷺ نے تو یتیم کا متولی بننے کو بھی ناپسند فرمایا اور حضرت

1- نیشابوری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، دار السلام للنشر والتوزيع الرياض، 2000ء، کتاب الامارہ، باب الحكم، رقم الحديث: 1733

2- البخاري، ابو عبدالله، محمد بن اسماعيل، الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول الله وسننه وایامه، دار السلام والنشر والتوزيع الرياض، 2000ء، کتاب الاحکام، باب ما یکره من الحرص علی الامارة، رقم الحديث: 7194

ابوذرؓ سے کہا: لا تأمرن علی اثنین . ولا تولین مال یتیم⁽¹⁾
 ”یعنی اے ابوذر (ؓ)! تم کبھی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کی سرپرستی قبول کرنا۔“
 عدم قبولیت کی وجہ ان الفاظ سے ظاہر ہے: إنها أمانةٌ و إنها يوم القيامة خزيٌ و ندامةٌ⁽²⁾ ”یہ عہدہ امانت
 ہے اور (اس کا حق ادا نہ ہو سکا) تو قیامت کے دن یہ رسوائی اور ندامت کا سبب بنے گا۔“
 آپ ﷺ امت میں ان عہدوں کے طلب کی حرص کا پیدا ہونا بھی نگاہ نبوت سے ملاحظہ فرما رہے تھے اور
 اس کو یوں بیان بھی کر دیا: إنکم ستحرصون علی الإمارة⁽³⁾ ”کہ عنقریب تم امارت کے لیے حرص و کوشش کرو
 گے۔“

قوم جن لوگوں کو منصب ان کی اہلیت و صلاحیت دیکھ کر دے اور وہ اس کے لیے تگ و دو کریں تو اللہ تعالیٰ کی
 توفیق اور عنایات اس منصب کے تقاضوں کو ادا کرنے کے لیے شامل حامل ہو جاتی ہے۔⁽⁴⁾
 پھر دوسری طرف آپ ﷺ نے اس صاحب منصب کے لیے جو لفظ استعمال فرمایا وہ ’راعی‘ کا ہے۔ راعی
 جس طرح اپنے ریوڑ کو خود بھی نقصان نہیں پہنچاتا اور دوسروں کو بھی روکتا ہے اور اس کی نظر اپنے ہر جانور پر ہوتی
 ہے۔ راعی اپنے ریوڑ سے اس درجہ پیار کرتا ہے کہ ریوڑ کا ہر جانور اس کے اشاروں پر چلتا ہے۔ ’راعی‘ کے اس اعلیٰ
 درجہ کے تعلق سے رعیت بھی راعی کے اشارہ ابرو پر جان دارنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے بشرطیکہ افسر ’راعی‘ کے
 روپ میں ہو ’بیور کریٹ‘ کی شکل میں نہ ہو۔ حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ یہ ہیں:
 ”أَلَا كَلُّكُمْ رَاعٍ وَ كَلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ“⁽⁵⁾
 ”آگاہ رہو تم سب نگہبان ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے متعلق جواب دہ ہو۔“

ذمہ داریوں کی نوعیت کی جہت سے سرکاری ملازم ’راعی‘ کی طرح ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق وہ اسلام اور پاکستان
 کا نمائندہ ہے۔ اسے اپنی ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ برآ ہونا چاہیے کہ وہ فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ایک اچھے

1- صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب البر والصلة، رقم الحديث: 1826

2- ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب السنة، باب شرح السنة، دار السلام للنشر والتوزيع
 الرياض، 2000ء، رقم الحديث: 174

3- صحیح البخاری، کتاب الامارة، باب العبد راعٍ فی مالٍ سیّدہ، ولا یعملُ إلا بإذنه، رقم
 الحديث: 7148

4- صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب ما یکره من الحرص علی الامارة، رقم الحديث: 7194

5- صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب قُواْ أَنْفُسَکُمْ وَأَهْلِیْکُمْ نَارًا، رقم الحديث: 7138

مسلمان اور محب وطن پاکستانی کی شکل میں لوگوں کے سامنے ہو۔ اپنی اس حیثیت کو صرف پیشہ وارانہ سرگرمیوں میں ہی ظاہر نہ کیا جائے بلکہ اس کی زندگی کے ہر میدان میں اس حیثیت کا عکس نظر آئے۔

کام کو احسن انداز میں کرنے کے حوالے سے حدیث جبریل⁽¹⁾ سے یہ اہم نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ اعمال کی بجا آوری 'جذبہ احسان' کے تحت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مفہوم تو بالکل واضح طور پر حدیث میں بیان ہوا ہے کہ شعور و وجدان میں یہ ہو کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں یا میرے اعمال کی انجام دہی کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے مگر ساتھ ہی اس 'طرز احسان' میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنے اعمال کو اس طرح انجام دیا جائے کہ وہ حسین و جمیل معلوم ہوں۔ ایک سرکاری ملازم اپنا تمام تر فائل ورک، اور دیگر اعمال خوبصورت طریقہ سے سرانجام دے۔ یہ حسن عمل خدا کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔ چونکہ سرکاری ملازم اخلاص و محبت سے امانت کی حفاظت میں اپنی ساری توانائیاں اس طرح صرف کرتا ہے کہ وہ 'مقام حسن' پر پایہ تکمیل کو پہنچے اس لیے کہ سر اپا جمال پروردگار کے ہاں 'عادل' کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔⁽²⁾

جب مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو حضور موت کا ایک شخص طلق بن علی وہاں آیا وہ مٹی گوندھنے اور گارا بنانے کے فن میں بڑا ماہر تھا۔ حضور ﷺ اس کی کارکردگی سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: رحمہ اللہ امرأ حسن صنعتہ ” اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو کام کو حسن و خوبی سے کرتا ہے۔“ پھر اسے فرمایا کہ تم یہی کام کیا کرو کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اسے بڑے حسن و خوبی سے کرتے ہو۔ طلق کہتا ہے کہ میں نے کسی پکڑلی اور میں گارا بنانے میں مصروف ہو گیا۔ حضور ﷺ میرے کام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا اس کو گارا بنانے پر رہنے دو کیونکہ یہ اس کام کو تم سب سے زیادہ عمدگی سے کر رہا ہے۔⁽³⁾

شریعت اسلامیہ میں اہلیت و صلاحیت کے حامل اور حرص و طمع سے بچنے والے لوگوں کو عہدہ و منصب کی امانت سونپی گئی ہے کہ مقاصد شریعت کی محافظت ہو تاکہ معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے۔ مقاصد شریعت درج ذیل ہیں:

1. تحفظ دین: یعنی دین الہی کو ہر جہت سے نافذ کیا جاسکے تاکہ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق ہر شعبہ میں قائم

رہے۔

2. تحفظ جان: لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔ قصاص و دیت کے قرآنی احکام اسی مقصد کے لیے

ہیں۔

1- صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی، رقم الحدیث: 50

2- صحیح البخاری، کتاب الامارۃ، باب فضیلة الامیر العادل، رقم الحدیث: 1827

3- الازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور: 1415ھ، 3: 151

3. تحفظِ عقل: عقل کا تحفظ شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے کیونکہ انسان اور جانوروں میں تمیز کرنے والی یہی قوت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شراب نوشی اور منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

4. تحفظِ نسل: خاندان کے ادارہ کی بقا کے لیے بدکاری پر پابندی لگائی گئی اور نکاح کا حکم دیا گیا۔
5. تحفظِ مال: مال کسی فرد کا ہو یا اجتماعی ادارہ و حکومت کا، اس کا تحفظ لازم و ضروری ہے۔ قطعید جیسی سزاؤں کا یہی مقصد ہے۔

6. تحفظِ عدل: قیامِ عدل شریعت کے بنیادی اور اہم مقاصد میں سے ہے۔ اگر عدل ہو گا تو دیگر مقاصد شریعت کی حفاظت ہو سکے گی۔⁽¹⁾

کہا جاسکتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں مختلف محکمے، منصب اور عہدوں کے بنیادی و اساسی مقاصد درج بالا ہیں۔ چونکہ یہ مقاصد بذاتِ خود بہت اعلیٰ ہیں اس لیے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد کا تقرر ان مناصب پر کیا جانا چاہیے۔

سرکاری ملازمین کے انتخاب کے لیے راہنما اصول
قرآن کریم اور اسوہ حسنہ سے سرکاری ملازمین کے انتخاب کے لیے بعض بنیادی راہنما اصول سامنے آتے ہیں ان کی مختصر اوضاحت کی جاتی ہے۔ اس آیت کو بہر صورت اس معاملہ میں ایک بنیادی اور اصولی حیثیت حاصل ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾⁽²⁾
”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں امانت والوں (ان کے اہل) کو ادا کرو۔“

۱۔ علم

اسلام میں علم کے حصول پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ گمان گزرتا ہے کہ اسلام اور علم ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ کے نزدیک دنیا اور آخرت میں سعادت کی بنیاد علم ہی ہے۔ معلم انسانیت کی دعاؤں میں یہ دعا بھی ملتی ہے:

1۔ مقاصد شریعت (حقوق کی حفاظت) کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
2۔ النساء: 4: 58

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا“⁽¹⁾

”اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم، مقبول عمل اور رزق حلال کا سوال کرتا ہوں۔“

قرآن کریم نے طالبات کے انتخاب کی وجہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا: آیت⁽²⁾ ”بے شک اللہ نے اسے (تم پر بادشاہی کے لیے) چن لیا اور تمہارے مقابلے میں اسے علم اور جسم میں زیادہ وسعت دی۔“
 ’بسطة‘ سے مراد وسعت ہے۔ افسران اپنے علم سے معاشرے کے لیے راہ سعادت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لہذا اس طبقہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے مصالح و مفاسد کا علم رکھتے ہوں۔ ’بسطة في العلم‘ سے مراد یہ بھی ہے کہ وہ اپنے علم سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ ”إني حفيظ عليم“⁽³⁾ سے ظاہر ہوتا ہے کہ افسران کو اپنے شعبہ سے متعلقہ امور کی مکمل آگاہی بھی ہونی چاہیے۔

ب۔ ذہنی و جسمانی صلاحیتیں

افسران کا علم جس راہ سعادت کی طرف راہنمائی کرے ان کے پاس اس کے اجراء و نفاذ کے لیے مناسب ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں بھی ہونا ضروری ہیں۔ سورۃ البقرہ 247 میں ’بسطة في العلم والجسم‘ سے یہی صلاحیتیں مراد ہیں۔ بزدل اپنے علم پر عمل کرنے اور نافذ کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس آیت میں ایک اور لطیف نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ اگر افسر علم و عمل میں کامل ہو مگر ماحول سازگار نہ ہو تو اللہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جو فرائض کی درست انجام دہی کے لیے ضروری ہوں۔

﴿وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ﴾⁽⁴⁾

”اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بادشاہت دے دیتا ہے۔“ سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے۔

ج۔ قوی اور امین

حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں رکھنے کی یہ وجوہ بتائی ہیں:
 ﴿قَالَتْ أَحَدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾

1- احمد بن حنبل، مسند احمد، دار السلام للنشر والتوزيع الرياض، 2000ء، رقم الحديث: 27056

2- البقرة 2: 247

3- يوسف 12: 55

4- البقرة 2: 247

”ان دولٹریوں میں سے ایک نے کہا کہ اباجان آپ اسے ملازم رکھ لیں کیونکہ بہترین ملازم جو آپ رکھ سکیں وہ ہے جو قوی اور امین ہو۔“⁽¹⁾

حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے ہیں ان میں کسی کام کو ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے کے لیے دو اہم ترین شرائط نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں بیان ہوئی ہیں اور وہ ہیں ’قوت اور امانت‘۔ یہ امر بدیہی ہے کہ قوت سے مراد صرف جسمانی قوت ہی نہیں بلکہ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ انسان میں محولہ کام کو سرانجام دینے کی استعداد ہو۔ مثلاً ایک قوی اور امین طبیب وہ ہے جو اپنے کام سے آگاہ اور اس پر حاوی ہو۔ ایک قوی سربراہ ادارہ وہ ہے جو اپنے فرائض منصبی سے خوب واقف ہو، دفتری کام کے مقاصد سے باخبر ہو، ترتیب کار اور پروگرام بنانے میں ماہر ہو اور اس میں بقدر ضرورت ایجاد و اختراع کی قابلیت ہو، کام کو منظم کرنے کی مہارت رکھتا ہو، اس کے ذہن میں غایت کار واضح ہو اور اپنی تمام طاقتوں کو مقصد تک پہنچنے کے لیے استعمال میں لائے۔ وہ لوگ جو کسی کو کوئی ذمہ داری سپرد کرتے وقت اس کی امانت اور راست کرداری پر قناعت کر لیتے ہیں وہ بھی اس غلط فہمی میں ہیں جیسے کہ وہ لوگ جو کسی مہارت خصوصی دیکھ کر اس پر بھروسہ کر لیتے ہیں۔ خائن ماہرین خصوصی اور بددیانت و افغان کارویہ ایسا ہی نقصان پہنچاتے ہیں جیسا کہ نااہل اور ناواقفان کار ایمان دار لوگ۔ اگر ہم کسی ملک کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے انتظامی فرائض کو مذکورہ بالا گروہوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیں۔ سربراہ ادارہ خائن ہو اور صاحب کردار لوگوں کو ذمہ داریوں سے محروم رکھا جائے، نتیجہ دونوں حالتوں میں ایک ہے۔ سورہ یوسف میں اسی مفہوم کو ’انی حفیظ علیم‘⁽²⁾ سے ادا کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے امانت داری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ.»⁽³⁾

”اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: ’جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔ اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کسی بندہ کا اس وقت تک دین درست نہ ہو گا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان درست نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو۔ جو

1 - القصص 26 : 88

2 - یوسف 12 : 55

3 - الہندی، حسام الدین علی بن المتقی، کنز العمال، مؤسسة الرسالة، بیروت، لبنان، 1989ء، رقم

الحدیث: 5500

کوئی ناجائز ذرائع سے مال کمائے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اسے برکت نہیں دی جائے گی۔ اگر اس میں سے خیرات کرے تو وہ قبول نہیں ہوگی اور جو اس میں سے بچ جائے گا وہ اس کا جہنم کی طرف سفیر یا توشہ ہوگا۔⁽¹⁾

”قیامت کی نشانیوں میں ہے کہ سب سے پہلے اس امت سے امانت کا جو ہر جاتا رہے گا۔“⁽²⁾

آپ ﷺ نے فرمایا:

”میری امت اس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی۔“⁽³⁾

نبی کریم ﷺ نے امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔⁽⁴⁾

آپ ﷺ نے فرمایا:

”مومن میں ہر بری عادت ہو سکتی ہے لیکن خیانت اور جھوٹ اس میں نہیں ہو سکتا۔“⁽⁵⁾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک روایت موقوفاً بیان کی ہے کہ:

”اللہ کی راہ میں شہید کیا جانا تمام گناہوں کا کفارہ ہے لیکن امانت کا کفارہ نہیں۔ ایک بندے کو قیامت کے روز لایا جائے گا جو شہید ہوا ہو گا اور کہا جائے گا کہ تم امانت (جس میں اس نے خیانت کی ہوگی) ادا کرو۔ وہ کہے گا کہ اے اللہ! اب میں اسے کسی طرح لاؤں؟ اب تو دنیا ختم ہو چکی ہے۔ کہا جائے گا اسے جہنم کے طبقہ ’ہاویہ‘ میں لے جاؤ۔ وہاں امانت والی چیز مثال بن کر اصل حالت میں اس کے سامنے آئے گی تو وہ اسے دیکھ کر پہچان لے گا اور اس کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے لپکے گا یہاں تک کہ اسے پکڑ لے گا۔ وہ اسے اپنے کندھوں پر لاد کر چلے گا لیکن جب وہ جہنم سے نکلنے کی کوشش کرے گا تو وہ بوجھ اس کے کندھے سے گر پڑے گا۔ پھر وہ اس کے پیچھے ہمیشہ گرتا چلا جائے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے وضو، نماز، ناپ تول اور دیگر بہت سی چیزیں گن کر فرمایا اور ان سب سے زیادہ سخت معاملہ امانت کی چیزوں کا ہے۔“⁽⁶⁾

1- کنز العمال، رقم الحدیث: 5503

2- ایضاً، رقم الحدیث: 5402

3- ایضاً، رقم الحدیث: 5404

4- صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب علامات النفاق، رقم الحدیث: 33

5- المؤطا، 2: 990، بیہقی فی شعب الایمان، 6: 456

6- البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین، شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1391ھ، رقم

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امانت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”اللہ جب کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس سے حیاء نکال لیتا ہے۔ جب حیاء اس سے نکل جاتی ہے تو اس پر ہمیشہ اللہ کا غصہ ہوتا ہے۔ جب اس پر اللہ غصہ رہتا ہے تو اس کے دل سے امانت نکل جاتی ہے تو اسے تو ہمیشہ چور اور خائن پاتا ہے۔ جب اسے تو چور اور خائن پاتا ہے تو اس میں سے رحمت نکل جاتی ہے۔ جب اس میں سے رحمت نکل جاتی ہے تو اسے تو ہمیشہ مردود و ملعون پائے گا۔ جب وہ ہر وقت مردود و ملعون ہو جاتا ہے تو اس کی گردن سے اسلام کی رسی نکل جاتی ہے۔“⁽¹⁾

نبی کریم ﷺ نے امانت کی پاسداری اور محافظت کا سبق لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کے ساتھ لوگوں کو خیانت اور بددیانتی کے بارے میں بھی آگاہ فرمایا۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾⁽²⁾

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ خیانت مت کرو اور نہ جاننے بوجھتے آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔“

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا:

”اور آپ بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ ہوں۔“

اور ایک مقام پر فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“⁽³⁾

نبی کریم ﷺ نے ان آیات کا صحیح مفہوم اپنے اسوہ حسنہ کے ساتھ پیش فرمایا۔ آپ ﷺ جن باتوں سے پناہ مانگا کرتے تھے، ان میں سے ایک خیانت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”اے اللہ مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت بری ساتھی ہے۔“⁽⁴⁾

الحديث: 5262

1- ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوينی، سنن، دار السلام للنشر والتوزيع الرياض، 2000ء، کتاب الفتن

والملاحم، باب ذکر الفتن، رقم الحديث: 4054

2- الانفال: 27

3- الانفال: 58

4- سنن ابی داؤد، کتاب تفریع، باب الاستعاذۃ، رقم الحديث: 1547

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

”سب سے اچھا میرا زمانہ ہے، پھر وہ زمانہ جو اس کے بعد آئے گا، پھر اس کے بعد آنے والا زمانہ۔ اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا جب لوگ بن بلائے گواہی دیں گے، خیانت کریں گے، امانت داری نہیں کریں گے، نذرمانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے۔“⁽¹⁾

آپ ﷺ نے فرمایا:

”بد دینا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"إِذَا ضَيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ" ⁽²⁾

”جب امانت ضائع کر دی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔“

سرکاری ملازمین کے کرداری اوصاف

اسلامی معاشرہ کا ہر فرد جس کے پاس کوئی عہدہ / منصب ہو یا نہ ہو اس میں درج ذیل بنیادی اوصاف ضرور ہونے چاہئیں اور صاحب منصب میں تو کمال درجہ پر ہونے چاہئیں۔

1- تقویٰ

قرآن کریم نے کم و بیش ہر شعبہ حیات سے متعلق احکام کے ساتھ تقویٰ کی قید ضرور لگائی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دین کا دار و مدار تقویٰ پر ہے۔ قرآن کریم نے اخلاق و سیرت کے ہر گوشے کی تکمیل اس لفظ سے کی ہے۔ قرآن یہ پیغام دے رہا ہے کہ ہر خیر و خوبی کی طرف مسلسل قدم اٹھانے کی قوت دینے والا تقویٰ ہے۔ چونکہ ساری تنگ و دو کامرکز و محور یہ ہے اس لیے اسے ’لباس‘ سے تعبیر کیا ہے۔ ہم ’اللہ سے ڈرنا‘، ’خدا خوفی‘ جیسے لفظوں سے اس کا ترجمہ کر کے اس لفظ کی وسعتوں کو سمیٹ دیتے ہیں۔ حقیقت تقویٰ عبارت ہے ہر اس کام سے بچنے سے جس سے خدا کی ناراضی کا خوف ہو۔“

اس لیے اس کی کئی شاخیں، تقویٰ جنسی، تقویٰ اجتماعی اور تقویٰ سیاسی وغیرہ ہو سکتی ہیں۔ کسی نے بہت کم اس مفہوم کو اس طرح ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔⁽³⁾

زندگی کی راہ پر چل لیکن ذرائع کے چل۔ یوں سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار دوش ہے۔ ملازمین کے ہزاروں قوانین

1- صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل اصحاب الشجرة، رقم الحديث: 3450

2- صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من سئل علماً، رقم الحديث: 59

3- الاعراف 7: 26

بنالیں اور نگرانی کے سیکڑوں طریقے دریافت کر لیں یا کمرے نصب کر دیں کوئی حیلہ کارگر نہیں ہو سکتا جب تک دل تقویٰ کی نعمت سے مالا مال نہیں ہو جاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کا معروف واقعہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ رات کے وقت گشت کر رہے تھے۔ ایک عورت اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کا کہہ رہی تھی اور بیٹی جواب دیتی ہے کہ امیر المؤمنین نے اس سے منع کیا ہے، یعنی یہ قانوناً جرم ہے۔ ماں کہتی ہے کہ اب امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے۔ بیٹی نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ گویا قانوناً جرم کر لینے کا موقع تھا مگر تقویٰ نے روک دیا۔ تقویٰ کی اس حقیقت و اہمیت کی وجہ سے قرآن کریم میں 'خیر الزاد' (1) کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ صاحب تقویٰ کو اللہ تعالیٰ ایک فراست بھی عطا کر دیتا ہے جس سے حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت مل جاتی ہے۔ (2) اور کاموں میں بھی آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ (3) اسلامی نکتہ نگاہ سے عمل و کردار کی اساس و بنیاد، محرک و سرچشمہ اور روح و جان تقویٰ ہے۔ ملازم جب تک صاحب تقویٰ نہیں ہو گا فرائض کی انجام دہی بہتر طور پر نہ ہو سکے گی۔ خاص افسران کے حوالہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ قابل توجہ ہے کہ آپ اکثر دعا کرتے وقت روتے تھے۔ اہلیہ نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: (4) جب میں اپنے بارے میں غور کرتا ہوں کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں اور بے کس، غریب، محتاج، فقیر، گم شدہ قیدی اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کروں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اللہ اس بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی دلیل پیش نہ کر سکوں گا تو مجھے خوف لاحق ہو جاتا ہے اور میرے آنسو نکل آتے ہیں اور جس قدر ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اسی قدر میرا دل خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہے تقویٰ سے احساس ذمہ داری کے شعور کی بیداری اور اس کو بہترین طرز پر کرنے کا جذبہ پیدا ہونا۔ جب یہ قوی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو حکومت جسم پر نہیں دلوں پر ہوتی ہے۔ ہماری تاریخ کے کتنے روشن باب ہیں جو ظاہر اکوئی عہدہ نہیں رکھتے تھے مگر آج بھی ان کے تقویٰ کی وجہ سے دلوں میں احترام موجود ہے۔ ایسے ہی خلیفہ ہارون الرشید کی ایک کنیز نے اس سے کہا تھا کہ اصل بادشاہی تو عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی ہے جو لوگوں کے دلوں پر ہے، آپ کی نہیں جو زور و جبر سے قائم ہے۔

1 - البقرة 2: 197

2 - الانفال 8: 29

3 - الطلاق 65: 4

4 - عراقی، عبدالرشید، سیرت عمر بن عبدالعزیز، فضلی بک ڈپو کراچی، 2008ء، ص: 127

2- حیا

حیا وہ وصف ہے جو برے کاموں کے ترک پر اکساتا ہے۔ اس وصف کے ہوتے ہوئے قبائح کی طرف رجحان ناممکن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حیا کا مقام و مرتبہ یہ بیان فرمایا کہ: الحياء من الايمان⁽¹⁾ کہ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔⁽²⁾ آپ ﷺ نے حیا کو 'خیر' کے جامع کلمہ سے بھی تعبیر فرمایا۔⁽³⁾ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ 'حیا خیر ہی لاتا ہے۔'⁽⁴⁾ گویا حیا سرچشمہ 'خیر' ہے۔ جب تک یہ وصف انسان میں موجود رہتا ہے وہ خیر کا پیامبر ہوتا ہے۔ جب یہ وصف ختم ہو جاتا ہے۔ 'ایمان' اور 'خیر' بھی خیر باد کہہ جاتے ہیں اس لیے 'ایمان' اور 'حیا' کو جڑواں بھی قرار دیا گیا ہے۔⁽⁵⁾

حیا کی خوبی سے جب تک سرکاری ملازم متصف ہوتا ہے اسے نہ صرف عوام کی مشکلات و پریشانیوں کا خیال ہوتا ہے بلکہ اپنے دین اور وطن کا احساس بھی موجود رہتا ہے۔ مگر جیسے ہی یہ سراپا وصف غائب ہوتا ہے، لوٹ مار کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت اس ارشاد نبوی کی حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ:

"إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ"⁽⁶⁾

”لوگوں نے سابقہ انبیاء (ﷺ) کے کلام سے جو پایا ہے اس میں بھی ہے کہ جب تجھ میں حیا ختم ہو جائے تو پھر جو چاہے سو کر۔“

الغرض حیا خیرائیوں کے خلاف ایک داعی اور محرک کے طور پر کام کرتی ہے۔ کسی شاعر نے اس مضمون کو اپنے انداز میں اس طرح ادا کیا ہے:

إذا لم تخش عاقبة الليالي	ولم تستحي فاصنع ما تشاء
فلا والله ما في العيش خير	ولا الدنيا إذا ذهب الحياء
يعيش المرء ما استحي بخير	ويبق العود ما بقي اللحاء

1- صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان عدد شعب الايمان، رقم الحديث: 36

2- ايضاً

3- ايضاً، رقم الحديث: 37

4- ايضاً

5- حاكم، محمد بن عبدالله، نيشاپوری، المستدرک، دار الفكر بيروت، 1398ھ، رقم الحديث: 58

6- صحيح البخاري، كتاب الادب، باب اذا لم تستحي فاصنع ماشئت، رقم الحديث: 620

”توراتوں کے انجام سے نہیں ڈرتا اور شرم نہیں کرتا تو جو توجہ دیتا ہے کرتا رہے۔ خدا کی قسم دنیا اور دنیا کی زندگی میں کوئی خیر نہیں اگر حیاء نہ ہو۔ آدمی جب تک حیا کے ساتھ ہے، خیر کے ساتھ جیتا ہے اور شاخ میں تازگی اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اس میں پانی موجود رہتا ہے۔ (جو اسے زندگی بخشنے والا ہے)“⁽¹⁾

3۔ اطاعت و اتباع رسول ﷺ

قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا ہے۔ حیات و موت کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو آزمایا جائے کہ کون ’احسن عمل‘ سرانجام دیتا ہے۔ (الملک: 2) احسن عمل میں دو خوبیاں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ وہ خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اخلاص۔⁽²⁾

دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کو نبی کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع میں انجام دیا جائے۔ عمل کا ظاہر اور باطن ان دونوں خوبیوں کے بغیر ’احسن عمل‘ کے مقام کو نہیں پاسکتا۔ قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حکم ارشاد فرمایا۔ اطاعت تو حکم کی بجا آوری ہے جبکہ اتباع اس حکم کی تکمیل کے لیے ذوق و شوق سے ڈوب جانا ہے۔ عمل کی انجام دہی میں یہ فکر غالب ہو کہ چونکہ اس عمل کو نبی کریم ﷺ نے انجام دیا ہے اس لیے میں بھی اس عمل کو انجام دیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

”تجھے اس لیے چوم رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں بوسہ دیا کرتے تھے۔“⁽³⁾

اقبال رحمۃ اللہ نے اس فکر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

تُو فرمودی رہ بطحا گرفتیم وگرنہ جز تُو ما را منزل نیست⁽⁴⁾

قرآن کریم نے تحویل قبلہ میں اس راز کو بیان کیا کہ اتباع رسول دیکھنا تھی کہ کون رسول کی خاطر

1 - شبیر احمد عثمانی، فضل الباری، مکتبہ مدینہ لاہورس۔ن، 385:2

2 - الالبانی، محمد ناصر الدین، علامہ، صحیح الترغیب والترہیب، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع،

الریاض، المملكة العربية السعودية، 2000ء، 1: 206

3 - صحیح البخاری، کتاب الحج باب تقبیل الحجر الأسود، رقم الحدیث: 1610

4 - علامہ محمد اقبال، ارغمان حجاز، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور 1975ء، ص: 46

قبلہ چھوڑتا ہے اور کون قبلہ کی خاطر رسول کو چھوڑتا ہے۔⁽¹⁾ قرآن نے محبوب الہی بننے کو اتباع رسول سے مشروط کیا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اطاعت و اتباع زندگی کے ہر شعبہ میں مقصود و مطلوب ہے۔ تعبدی معاملات ہوں یا تمدنی اتباع و اطاعت کے دائرہ سے باہر نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ کی 63 سالہ حیات مقدسہ ایک معجزہ ہے۔ قومیں اور افراد ہزاروں گونا گوں مسائل کا شکار ہو جائیں، حیات نبوی ﷺ کے یہ ماہ و سال انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ رہیں گے۔⁽²⁾ سورة الاحزاب میں ہے:

”کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ فرمادیں تو وہ اس معاملہ میں اپنی مرضی کریں۔“⁽³⁾

بقول ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ:

”آیت میں صرف یا ایہا الذین آمنوا کا عمومی خطاب نہیں بلکہ مومن مرد اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ خطاب کر کے کہا کہ جب اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم آجائے تو پھر کسی بھی اسمبلی، کمیشن اور ادارے کے اختیارات سلب ہو جاتے ہیں۔ اس آیت نے اطاعت و اتباع کی بے پایاں وسعتوں کو کھول کر بیان کر دیا۔ قرآن کریم تو ایمان کی دولت سے مالا مال ہی اسے سمجھتا ہے جو رسول ﷺ کے بلانے پر آئے تو پھر اجازت سے جائے۔ ان تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ایمان کے لیے صرف مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اطاعت و اتباع بھی ضروری ہے۔“

ابن قیم رحمۃ اللہ کی یہ عبارت بھی قابل مطالعہ ہے:

”جو بھی سیر اور اخبار ثابتہ میں ذرا غور کرے گا تو اسے اہل کتاب اور مشرکین کی نبی اقدس ﷺ کی رسالت کے متعلق کئی شہادتیں ملیں گی کہ یہ سچے رسول ہیں لیکن اس شہادت سے وہ لوگ اسلام میں داخل نہیں سمجھے جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کی اس سے پرے کوئی حد ہے اور وہ صرف معرفت نہیں اور نہ ایمان فقط معرفت اور اقرار کا نام ہے بلکہ معرفت اور ظاہر و باطن میں طاعت و انقیاد کا نام ہے۔“⁽⁴⁾

5- البقرة: 2: 143

1- الاحزاب: 33: 21

2- ایضاً: 36

3- ابن القیم، زاد المعاد، مترجم رئیس احمد جعفری، نفیس اکادمی، لاہور، 1986ء، 3: 189

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے افراد، وہ سرکاری عہدیدار ہوں یا عام شہری، ہر ایک کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حیات نبوی کے ماہ و سال اور لیل و نہار بطور نمونہ سامنے رکھنے ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات آپ کی سیرت کے نقوش یہ سب حیات مسلم کے لیے دائمی رہنما اصول ہیں اور ایک مسلمان ان رہنما نقوش سے ہٹ کر کسی مغربی طرز حیات سے رہنمائی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہر دور کے مثالی اسلامی ادوار میں یہی رہنمائی کے بنیادی اصول مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے ہیں۔ تہذیب اور تمدن کی بنیادیں بھی انہی اصولوں پر استوار کی جائیں گی۔ کسی بھی صورت میں ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم نے اسی لیے ہمیں حکم دیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْعَدُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ عِقَابِهِ﴾⁽¹⁾

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سزا جانتا ہے۔“

(الف) کرنے کے کام (اوامر)

1۔ ماتحتوں پر شفقت و مہربانی

افسر (Public Servant) اور ماتحتوں میں رشتہ ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہے۔ جسم کے تمام اعضاء ایک دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں جس سے بدن کا سارا نظام چلتا ہے۔ ہمارے ہاں نظام کو چلانے کے لیے شفقت و محبت اور مہربانی و نرمی کی بجائے سختی، درشتی و تند خوئی کو معیار افسری سمجھا جاتا ہے مگر قرآن کریم سیرت رسول اللہ ﷺ کا جو نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور اعلیٰ قیادت کا جو وصف ہمارے لیے تجویز کرتا ہے وہ رفیق و نرمی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾⁽²⁾

”پھر اللہ کی رحمت کے سبب سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا، اور اگر تُو تند خواہ سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے۔“

1- الحجرات 49: 1

2- آل عمران 3: 159

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے اللہ! میری امت میں سے اگر کسی فرد کو کوئی ذمہ داری سونپی گئی اور اس نے امت پر سختی کی

تو اے اللہ! تو بھی اس پر سختی کر اور اگر اس نے نرمی کی تو تو بھی نرمی کر۔“⁽¹⁾

کسی کے لیے مشکلات پیدا کرنا اور سختی کا رویہ اپنانا آسان ہے لیکن آسانی و نرمی کی راہیں نکالنا مشکل ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ایسے آدمی کے لیے جو سخت گیر ہو فرمایا:

”بے شک حطمہ بدترین حاکم ہے پس ہو سکے تو اس سے بچو کہ تم ان میں سے ہو۔“⁽²⁾

’حطمہ‘ سے مراد ایسا شخص ہے جو انتظامی امور کا انچارج بنایا گیا ہو اور اس کی خاصیت ایسی ہو کہ وہ ظالم، خود غرض اور لوگوں کو اپنے ظلم سے تباہ کرنے والا ہو۔

اس حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک خط کے یہ الفاظ بھی قابل توجہ ہیں:

”اے عمال! (گورنروں سے مخاطب ہیں) رعیت پر تمہارے اور رعیت کے تم پر حقوق ہیں۔ اللہ

تعالیٰ بردبار حاکم کو بہت پسند کرتا ہے اور کوئی نفع اس نفع کے برابر ہمہ گیر اور عام نہیں ہوتا جو

بردبار اور مہربان حاکم سے رعیت کو پہنچے۔“⁽³⁾

2- عزت نفس کا محافظ

سرکاری ملازم، عامۃ الناس اور اپنے ماتحت افسران کی عزت نفس کے محافظ ہوتے ہیں۔ اہل ایمان کے لیے یہ وہ دولت ہے جس کی عزت و حرمت کعبہ کے تقدس سے بھی بڑھ کر ہے۔⁽⁴⁾

ہمارے دفاتر میں استہزاء، غیبت، حسد، برے القاب، بدظنی اور تجسس جیسے مہلک ہتھیار ہیں جن سے عامۃ الناس، ماتحت اور افسران بالا کی عزت نفس کو مجروح کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ معاشرہ اور دفاتر میں موجود منفی رویے ہیں جو پر امن ماحول کو ہی تہ وبالا نہیں کرتے بلکہ دفاتر اور معاشرے کو آگے بڑھنے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونے سے بھی روکتے ہیں۔ قرآن و سنت کا مطالعہ کریں تو وہاں ان قدروں کی تحسین و حوصلہ افزائی کی گئی ہے جو دفاتر اور معاشرہ کی کارکردگی میں اضافہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ مثلاً حسد سے منع کیا گیا ہے مگر غبطہ کو اچھا سمجھا

1- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلة الامام العادل، رقم الحدیث: 182

2- ایضاً

3- خورشید احمد فاروق، حضرت عمر کے سرکاری خطوط، پرنٹ لائن پبلشرز، لاہور 1999ء، ص: 207

4- سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب کراہیۃ الاقتراض فی آخر الزمان، رقم الحدیث: 3932

گیا۔ حسد میں دوسروں سے نعمت کے چھن جانے تصور ہے اور غبطہ میں دوسروں کے پاس موجود نعمت پر اظہار مسرت کے ساتھ اپنے میں اس نعمت کے موجود ہونے کی تمنا ہے۔ تجسس اسلام کی نظر میں مذموم ہے جبکہ تجسس میں اچھائیاں اور برائیاں تلاش کی جاتی ہیں۔ یہ جذبہ انسان کو سرچشمہ خیر ثابت کرنے کی تگ و دو سے عبارت ہے۔ یہی چیز معاشرہ اور دفتر کی ترقی کا سبب بنتی ہے مگر ہم کسی کی فائل تجسس کے فتیج رویہ سے کھولتے ہیں تجسس کے جذبہ سے نہیں۔ ہم حسد کی آگ میں جلتے ہوئے کسی کی فائل کی ورق گردانی کریں گے رشک کی فکر آفریں قوت سے نہیں۔⁽¹⁾

قصہ مختصر اسلام معاشرہ کے تمام اجزاء کو ایسی مادی اور روحانی ترقی کی طرف دھکیلتا ہے جس میں دوسروں کے احساسات و جذبات تک کو قابل احترام سمجھا جائے۔ معاشرہ اور دفاتر جو ترقی اعلیٰ روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو چھوڑ کر کرتے ہیں وہ پانی کا بلبلہ ہوتی ہے۔ چند احادیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

- 1- بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ بھید نہ ٹٹولو، ایک دوسرے کی ٹوہ لگانے کی کوشش میں نہ لگ جاؤ، حسد و بغض سے بچو، سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔⁽²⁾
 - 2- افسر (حاکم) جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔⁽³⁾
 - 3- اے وہ لوگو! جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایمان دار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کرو۔ یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ خرابیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے خاندان میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔⁽⁴⁾
 - 4- جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی۔ اسی طرح جس نے مسلمانوں کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اس جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی۔⁽⁵⁾
- نبی کریم ﷺ کے ارشادات نے احترام آدمیت و انسانیت کا پیغام دیا ہے جس سے نفسیاتی الجھنیں ختم ہوتی ہیں۔ نفرت و حقارت کے دھارے تھم جاتے ہیں، فساد کے جراثیم اور افتراق کی قوتیں دم توڑ دیتی ہیں۔ افسران

1- راغب الاصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، بذیل مادة. تحقیق محمد کیلانی، نشر مصطفیٰ الحلبي 1381ھ

2- صحیح بخاری، کتاب الادب، باب یاأیہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، رقم الحدیث: 6066

3- سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب التجسس، رقم الحدیث: 4889

4- سنن أبی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة، رقم الحدیث: 4880

5- ایضاً، رقم الحدیث: 4881

بالا کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی دوسروں کی عزت نفس کے محافظ بنیں اور دوسروں کو اس کی تلقین بھی کریں۔

3- مشاورت

عربی میں 'شُرْت العسل' کے معنی 'چھتے سے شہد نکالنے' کے ہیں۔⁽¹⁾ اسلامی معاشرت خواہ دفتری ہو یا وسیع سطح پر ریاستی اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ باہمی صلاح مشورہ اور غور و فکر کے بعد نتائج تک پہنچی ہے۔ جس طرح شہد کی مکھی رنگ برنگے پھولوں سے رس نچوڑ کر ایک نفع آور اور صحت افزا رس تیار کرتی ہے بالکل اسی طرح Public Servant کا رویہ ہوتا ہے۔ وہ عامۃ الناس کے لیے مفید اور نفع بخش ہو گا۔ قرآن کریم نے 'وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ' کہہ کر اسوہ حسنہ کو بھی بیان کیا ہے اور 'وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ' کے ذریعے مسلم سوسائٹی کے ذوق و مزاج کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی مشاورت ہی رہا۔

اس کے درج ذیل اہم فائدے ہیں:

- 1- مشاورت سے فیصلہ کمال عقل کا مظہر ہوتا ہے۔
- 2- یہ درحقیقت ہم کار افراد کی حوصلہ افزائی اور ان کی استعداد کو جلا بخشنے کا ذریعہ ہے۔
- 3- مشاورت سے کیے گئے فیصلہ میں نقصان کم ہوتا ہے اگر ہو جائے تو سب اہل مشورہ اس نقصان کے ازالہ کی اجتماعی کوشش کرتے ہیں۔
- 4- مشورہ باہم حسد کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کس سے مشورہ کیا جائے؟ معروف اندلسی مفسر ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 668ھ) نے جو لکھا وہ آج بھی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"وَاجِبٌ عَلَى الْوَلَاةِ مَشَاوَرَةُ الْعُلَمَاءِ فِيمَا لَا يَعْلَمُونَ ، وَفِيمَا أَشْكَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ أُمُورِ الدِّينِ ، وَوَجُوهِ الْجَيْشِ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْحَرْبِ ، وَوَجُوهِ النَّاسِ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْمَصَالِحِ ، وَوَجُوهِ الْكُتَّابِ وَالْوُزَرَاءِ وَالْعَمَالِ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْمَصَالِحِ الْبِلَادِ وَعِمَارَتِهَا"⁽²⁾

1- ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی، المصری، لسان العرب، بذیل مادة، دار احیاء التراث العربی،

بیروت لبنان، 1988ء، 2: 166

2- القرطبی، محمد بن احمد، ابو عبد اللہ، الجامع لاحکام القرآن، الهيئة المصرية العامة للكتاب، 1978م،

مصر، 4: 250

”حکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں علماء سے، جنگی امور میں قائدین لشکر اور ماہرین حرب سے، عوامی فلاح و بہبود کے کاموں میں سرداران قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقلمند وزراء اور تجربہ کار عہدے داروں سے مشورہ کریں۔“

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ شعر بھی نقل کیے ہیں:

شاوَر صدیقک فی الخفی المشکل و اقبل نصیحة ناصح متفضل

فاللہ قد اوصی بذاک نبیہ فی قوله : شاوَرهم و توکل⁽¹⁾

”مشکل اور پیچیدہ معاملات میں اپنے مخلص دوست سے مشورہ کرو، خیر خواہ اور اہل فضل کی نصیحت لیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: شاوَرهم و توکل میں اپنے نبی کو اسی کی نصیحت کی۔“

(ب) جن کاموں سے اجتناب کرنا ہے (نواہی)

مال غنیمت میں خیانت نہ کرے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم دیکھو کہ کسی نے مال غنیمت کے مال میں سے چوری کی ہے تو اس کا سامان جلاؤ اور اسے مارو۔ راوی نے بتایا کہ اس شخص کے سامان میں ایک مصحف (قرآن مجید کا نسخہ) بھی تھا۔ یہ مصحف بیچ ڈالا گیا اور اس کا ہدیہ اللہ کی راہ میں کسی کو دے دیا گیا۔“⁽²⁾

مال غنیمت میں سے جو شخص کوئی چیز چراتا ہے اسے ’غال‘ (خائن) اور اس فعل کو ’غلول‘ (خیانت) کہا جاتا ہے۔ غال کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اس کا جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھا۔ زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن ایک جہنی شخص فوت ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس شخص کی وفات کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صلوا علی صاحبکم"

”اپنے ساتھی کا جنازہ تم خود ہی پڑھو۔“

1- الجامع لاحکام القرآن، 4: 250

2- سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب عقوبة الغال، رقم الحديث: 2713

آپ ﷺ کی بات سن کر لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ یہ دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"إن صاحبكم غل من الغنيمة"

”تمہارے ساتھی نے غنیمت کے مال میں سے کوئی چیز چرائی تھی۔“⁽¹⁾

امام احمد رحمہ اللہ نے اس سے اخذ کیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم جنازہ پڑھ لو اور خود نہیں پڑھا، کہ امام کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ’غال‘ (بد دیانت) کی نماز جنازہ پڑھے۔ اس کے علاوہ باقی تمام لوگ جنازہ پڑھیں گے۔⁽²⁾ یہ درحقیقت بددیانتی کے جرم کی شدت کے اظہار کی ایک صورت ہے۔

زکوٰۃ جمع کرنے والے ظالمانہ رویہ اختیار نہ کریں

مالیاتی شعبے میں ایک اور شعبہ جس میں عام طور پر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جو حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھا دیتی ہیں وہ مال جمع کرنے والوں کا عوام کے ساتھ ظالمانہ رویہ ہے۔ یہ لوگوں سے محصول اور زکوٰۃ کے نام پر مقررہ شرح سے زائد وصول کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے شخص کو ’صاحب مکس‘ کہا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو متعینہ شرح سے زیادہ ازراہ زیادتی وصول کرتا ہے۔⁽³⁾ ان لوگوں کا طریق کاری یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس وصول کرتے وقت اپنی ذاتی جیب کے لیے لوگوں سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جو ٹیکس دہندہ ان کا مطالبہ پورا کر دیتا ہے اسے کسی نہ کسی طرح چھوٹ اور رعایت مل جاتی ہے اور جو ایسا نہیں کر پاتے ان کے لیے مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ آج کے دور میں ان لوگوں کے طرز عمل کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو سخت ترین الفاظ میں متنبہ فرمایا کیونکہ یہ اپنے منصب سے ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور ملکی خزانے کی آمدنی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يدخل الجنة صاحب مكس"⁽⁴⁾

”صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

3- سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب تعظیم الغلول، رقم الحدیث: 2710، 2711

1- ابن قدامة، عبد اللہ بن احمد، ابو محمد، المغنی، دار الفکر، بیروت، 1405ھ، 3: 504

2- المغنی لابن قدامة: 3: 504

3- الدارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن، مسند الدارمی، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، بیروت،

1390ھ، کتاب الزکاة، باب نمبر: 28

آپ ﷺ نے فرمایا:

"إن صاحب المكس في النار" ⁽¹⁾

”صاحب مکس کو آگ میں ڈالا جائے گا۔“

عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

”حضرت داؤد علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ رات کے ایک حصے میں جاگتے اور عبادت کیا کرتے تھے، کیونکہ رات میں ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے جس میں جو دعا بھی کی جائے قبول ہوتی ہے سوائے جادو کرنے والے اور (ظالمانہ) ٹیکس وصول کرنے والے کے۔“ ⁽²⁾

اس موضوع کی دیگر بھی کئی روایات موجود ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”آدھی رات کو آسمان کے دروازے کھل دیے جاتے ہیں اور ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارتا ہے کہ ہے کوئی سائل کہ اس کی دعا کے مطابق اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی تکلیف میں مبتلا کہ اس کو تکلیف سے نجات دی جائے؟ اس طرح کوئی ایسا مسلمان نہیں بچتا کہ اس کی دعا کو قبولیت حاصل نہ ہو سوائے زانیہ عورت یا زیادتی سے محاصل وصول کرنے والے شخص کے کہ ان کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔“ ⁽³⁾

اس موضوع کی ایک روایت یوں ہے کہ آدھی رات کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے (مزید) قریب ہو جاتا ہے۔ ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور ان کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں سوائے زانیہ اور زیادتی سے ٹیکس وصول کرنے والے کے۔“ ⁽⁴⁾

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تمہارے اوپر ایسے حکمران اور عمال مقرر ہوں گے کہ ان کے ارد گرد شریر لوگ جمع ہو جائیں گے۔ یہ لوگ نمازوں کو مؤخر کر دیں گے۔ تم میں سے جو کوئی ان کے زمانے میں موجود ہو تو نہ ان کا عریف (لوگوں کے حالات حکومت تک پہنچانے والا) بنے، نہ ان کا صاحب الشرطہ (پولیس مین)

4- مسند احمد، 4: 1008

1- مسند احمد، 4: 1008

2- المنذري، عبد العظيم ابو محمد، الترغيب والترهيب، دار الكتب العلميه، بيروت 1407ھ، باب ما يستجاب الدعاء من كل احد الا الزاني والعشار: 2: 87

3- الترغيب والترهيب، باب ما يستجاب الدعاء من كل احد الا الزاني والعشار: 2: 87

بنے اور نہ ان کے محاصل وصول کرنے والے مخلصین بنیں، نہ ان کے خازن۔⁽¹⁾
 ان احادیث میں جن لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو زکوٰۃ، عشر یا کوئی اور ٹیکس وصول کرتے وقت لوگوں کو ناجائز طور پر چھوٹ دینے کے لیے ان سے رشوت وصول کرتے ہیں اور جو لوگ رشوت نہیں دیتے ان سے اصل سے زائد ٹیکس وصول کرتے ہیں یا کسی اور طریقے سے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھی تلقین فرمائی ہے کہ وہ لوگوں سے ان کے بہترین مال وصول نہ کریں۔ لیکن یہ لوگ آپ ﷺ کی اس تلقین کی پروا نہ کرتے ہوئے ازراہ ظلم ان کے بہترین مال وصول کرنے لگے۔

نبی کریم ﷺ کی عریف کو تنبیہ

اسی طرح کا ایک منصب جس سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور جو لوگوں پر ظلم و زیادتی کا باعث بن جاتا ہے 'عریف' کہلاتا ہے۔ 'عریف' ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو حاکم کی طرف سے رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لیے مقرر ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت اپنی قوم کے مختلف افراد کا رویہ اور کردار رپورٹ کی صورت میں حاکم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ زیادہ گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے رشوت وصول کریں گے اور رشوت لے کر لوگوں کی غلط سلط رپورٹیں حکمران تک پہنچائیں گے۔ اس لیے اس طبقے کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے بڑا تنبیہی انداز اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی:

أَفْلَحْتَ يَا قَدِيمُ إِنْ مِتُّ وَلَمْ تَكُنْ أَمِيرًا وَلَا كَاتِبًا وَلَا عَرِيفًا⁽²⁾
 ”اے مقدم! تو نے نجات پائی اگر تو اس حال میں فوت ہوا کہ تُو نہ لوگوں کا امیر ہوا، نہ منشی اور نہ عریف۔“

ایک اور روایت جو ابو داؤد میں ہے کہ کسی نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اسے اس کے باپ کے بعد جواب بوڑھا ہو چکا ہے، ایک چشمے کا عریف بنا دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّ الْعَرِيفَةَ حَقٌّ وَلَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنَ الْعُرَفَاءِ وَلَكِنَّ الْعُرَفَاءَ فِي النَّارِ“⁽³⁾
 ”عرفت بے شک ایک ضروری منصب ہے، اس کے بغیر گزارا نہیں مگر اکثر عریف جہنم میں

جائیں گے۔“

مسند بزار میں اس سلسلے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِنَّ فِي النَّارِ حَجْرًا يُقَالُ لَهُ وِيلٌ يَصْعَدُ عَلَيْهِ الْعُرْفَاءُ وَيَنْزِلُونَ فِيهِ“⁽¹⁾

”جہنم میں ایک پتھر ہے جسے ’وِيل‘ کہا جاتا ہے۔ عرفاء کو اس پر چڑھایا جائے گا اور پھر نیچے پھینکا

جائے گا۔“

مسند ابویعلیٰ میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے پاس سے گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اس جنازے والے کے لیے خوشخبری ہے بشرطیکہ یہ عریف نہ ہو۔“⁽²⁾

رشوت اور اس کے بارے میں وعید

مالی بد عنوانیوں کی ایک شکل رشوت بھی ہے۔ رشوت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس کام کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ وصول کیا جائے۔ مثلاً ایک کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہو اور اسے اس کام کی انجام دہی پر سرکاری طور پر معاوضہ اور تنخواہ ملتی ہو، ایسا کام کرنے پر وہ صاحب ضرورت شخص سے کوئی معاوضہ وصول کرے۔⁽³⁾ قرآن مجید میں رشوت کے لیے ’سُحْت‘ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لفظ ’سُحْت‘ کا معنی ’ہلاکت و بربادی‘ ہے۔ رشوت نہ صرف لینے دینے والوں کو اخلاقی اور معاشی طور پر تباہ و برباد کرتی ہے بلکہ ملک و ملت کی جڑ اور امن عامہ کی بنیادیں ہلا دیتی ہے۔ جس ملک میں رشوت کی لعنت چل پڑتی ہے وہاں قانون بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ لوگ رشوت دے کر ہر کام کروا لیتے ہیں۔ حق دار کا حق مارا جاتا ہے اور غیر حق دار مالک بن بیٹھتے ہیں۔ قانون، جو کہ لوگوں کے حقوق کا ضامن ہوتا ہے بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ قانون کی حاکمیت جس معاشرے میں کمزور پڑ جائے وہ معاشرہ زیادہ دیر چل نہیں سکتا، نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے نہ مال و عزت۔ قرآن مجید نے اسے ’سُحْت‘ کہہ کر ’اشد حرام‘ قرار دے دیا ہے۔ رشوت کے دروازے بند کرنے کے لیے اسلام نے یہ اصول دیا ہے کہ امراء و حکام کو تحفے دینا حرام ہے۔⁽⁴⁾ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

3- الترغیب والترہیب: 88:2

1- الترغیب والترہیب: 88:2

2- مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ناشر کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی، پاکستان، سن، 3: 153، 151

3- جصاص، احمد بن علی الرازی، ابو بکر، احکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان،

1983ء، ص: 130

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾⁽¹⁾

”آپ میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں تک پہنچاؤ کہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے طریقے سے جانتے بوجھتے کھا جاؤ۔“

قرآن مجید نے یہود کے مذہبی اجارہ دار طبقے کی یہ خرابی بیان کی ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی پسند کے فتوے جاری کر کے ان سے رشوت کھاتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کا ذکر یوں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾⁽²⁾

”بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا مول لیتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے مگر آگ، اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

نبی کریم ﷺ کی پالیسی بظاہر بڑی سخت نظر آتی ہے لیکن مالیاتی معاملات میں نظم اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب بد عنوانی کا سبب بننے والے ہر چھوٹے سے چھوٹے سوراخ کو بھی مکمل طور پر بند کیا جائے۔ چھوٹے سے چھوٹے سوراخوں سے جب پانی کو رسنے دیا جائے تو یہی سوراخ بڑے ہو کر بند کو اپنے ساتھ بہا لے جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بد عنوانیوں سے اگر درگزر کیا جائے تو یہی غلطیاں پورے معاشی ڈھانچے کو زمین بوس کر دیتی ہیں۔ آج کا دور اس کی واضح مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے یہ لوگ (یہود) اسے چھپاتے ہیں اور اس کے ذریعے معمولی معاوضہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ یہودیوں کی اس خرابی کو قرآن پاک یوں بیان کرتا ہے:

﴿سَمَاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ لِلسُّخْتِ﴾⁽³⁾

”یہ لوگ جھوٹ (افواہیں) بڑے شوق سے سنتے ہیں اور حرام خوری میں بڑے تیز ہیں۔“

4- البقرة: 288

1- البقرة: 274

2- المائدة: 42

حدیث میں ہے کہ:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ. (1)
 ”رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کے رسول ﷺ کی لعنت ہے۔“
 آپ ﷺ نے فرمایا:

”لا يدخل الجنة لحم نبت من سحت، النار أولى به“ (2)
 ”جس گوشت نے ’سُحت‘ (حرام) سے پرورش پائی، آگ اس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ پوچھا گیا: ’سُحت‘ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فیصلے صادر کرنے میں رشوت وصول کرنا۔“

اسی طرح کی ایک حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔
 ابن خویز مند ادنے ’سُحت‘ کی ایک شکل یہ بیان کی ہے کہ:
 ”ایک شخص کا کسی صاحب اختیار شخص کے ساتھ کوئی کام اور حاجت ہو لیکن اس کی صاحب منصب شخص تک رسائی نہ ہو جبکہ کسی دوسرے شخص کا اس صاحب منصب کے ساتھ تعلق موجود ہو اور وہ سائل کی رسائی متعلقہ افسر تک کروانے کے لیے کوئی فیس اور معاوضہ طلب کرے۔“ (3)

’سُحت‘ اور رشوت کی ایک شکل یہ بھی روایت میں بیان کی گئی ہے کہ:
 ”کسی صاحب منصب شخص کو کوئی چیز دی جائے تاکہ کسی کا حق مار کر خود حاصل کر لیا جائے۔ اگر کوئی شخص رشوت لے کر کسی کا کام حق کے مطابق کرتا ہے تو وہ شخص رشوت لینے کی وجہ سے گنہگار ہو گا اور یہ مال اس کے لیے ’سُحت‘ ہو گا۔ لیکن اگر رشوت لے کر حق کے خلاف فیصلہ کیا اور غیر حق دار کو حق دے دیا تو یہ جرم کئی گنا بڑھ جائے گا۔ اس میں رشوت، ظلم، حق تلفی اور اللہ تعالیٰ کی حد کو توڑنا بھی شامل ہو جاتا ہے۔“ (4)

3- ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، جامع، دار السلام للنشر والتوزيع الرياض، 2000ء، کتاب

الاحکام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي، رقم الحديث: 1336

1- الجامع لأحكام القرآن، 3: 182

2- ايضاً

3- ايضاً، 3: 183

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رشوت وصول کرتا ہے تو اسے اسی وقت معزول کر دیا جائے۔ اگر اسے معزول نہ کیا گیا تو اس فعل کے ارتکاب کے فوراً بعد سے اس کے تمام احکام غیر قانونی سمجھے جائیں گے۔⁽¹⁾

صاحب تفسیر امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”رشوت وصول کرنا فسق ہے اور کسی فاسق کے لیے فیصلہ کرنا جائز نہیں۔⁽²⁾ حدیث شریف میں رشوت دینے میں واسطہ بننے والے کو بھی اتنا ہی مجرم قرار دیا گیا ہے جتنا رشوت لینے اور دینے والے کو۔⁽³⁾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قرآنی تعلیمات کو عملی شکل دی۔ آج کے دور میں مالی بد عنوانیوں کے اسناد کے لیے یہ واقعہ بنیادی رہنما ثابت ہو سکتا ہے کہ خیبر کے دن یہودیوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر مصالحت فرمائی تھی کہ وہ اپنی آدھی زرعی آمدنی مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو محاصل وصول کرنے کے لیے متعین فرمایا گیا۔ ان لوگوں نے اپنی عورتوں کے زیورات بیچ کر رقم جمع کی اور صحابی رسول کو پیش کرنا چاہی کہ یہود کا حصہ بڑھا دیا جائے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا جواب نہ صرف یہود کے لیے بلکہ آج کے دور کے لیے بھی روشنی کا مینارہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے یہودیو! اللہ کی قسم! تم اللہ کی مخلوق میں سے مبعوض ترین مخلوق ہو لیکن تمہاری یہ رشوت مجھے ظلم پر آمادہ نہیں کر سکی۔ تمہاری یہ رشوت حرام ہے، ہم مسلمان اسے نہیں کھاتے۔“

یہودیوں نے ان کی تقریر سن کر کہا کہ یہی وہ انصاف ہے جس سے آسمان وزمین قائم ہیں۔⁽⁴⁾

بد عنوانی کی ایک شکل یہ ہے کہ حکمران لوگوں کو سرکاری خزانے سے رشوت کے طور پر مال دیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہو کہ سیاسی یا معاشی مقاصد حاصل کریں۔ اس طرح کی بد عنوانی کے اسناد کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! اگر تمہیں کوئی چیز عطا کریں تو لے لیا کرو جب تک کہ وہ عطا ہی رہے۔ یعنی (یہ عطیہ کسی خدمت اور استحقاق کے طور پر ہو اور اس کی شرعی بنیاد موجود ہو) پھر جب قریش اقتدار کی خاطر ایک دوسرے سے لڑیں اور عطائیں قرض کے بدلے میں ملیں تو ان عطیات کو چھوڑ دو اور

4- الجامع لأحكام القرآن، 3: 182

5- ایضاً

1- کنز العمال، رقم الحديث: 14495

2- مالک بن انس، امام، مؤطا، دار احیاء التراث العربی، 1406ھ، کتاب المساقات: 1: 516

قبول نہ کرو۔“⁽¹⁾

آپ ﷺ نے فرمایا:

”جب قریش آپس میں حکومت کے لیے لڑنے لگیں اور رشوت کے طور پر لوگوں کو عطیات

دیے جائیں (اور مستحق لوگوں کو نہ دیے جاتے ہوں) تو یہ عطیات قبول نہ کرو۔“⁽²⁾

آج کے دور میں یہ دونوں طرح کی رشوت موجود ہے۔ سرکاری کارندے قومی خزانے کو اپنی ذاتی دولت سمجھ کر ناجائز طور پر لوگوں کو بھاری رقوم دیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ عوام کی بہت بڑی تعداد اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوتی جا رہی ہے۔ رشوت نے لوگوں کی اخلاقی حس کو زنگ آلود کر کے ان کے ضمیر کو سلا دیا ہے۔ دوسری طرف عوام میں یہ خیال اب جڑ پکڑ چکا ہے کہ رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا اور رشوت کے ذریعے ہر ناممکن کام ممکن ہو جاتا ہے۔

3- سنن أبي داؤد، كتاب الخراج، باب كراهية الاقتراض في آخر الزمان، رقم الحديث: 3959

4- سنن أبي داؤد، كتاب الخراج، باب كراهية الاقتراض في آخر الزمان، رقم الحديث: 3959

اسلام کا تصور جہاد اور امن

محمد کاشف اقبال

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین^{°°}

ABSTRACT

In all divine religions, a vivid decree of Jihad is found. War brings destruction for any nation that falls in it. Often this damage and destruction reaches to the extent that decades are required to cover it. Affected community and state ruins adversely. If the laws of justice are observed, even in war, such destruction can be minimized. It is unjustified that laws of justice are ignored just in enmity of any *other* nation. Though the concept of Jihad is found in all divine religions but no other religion exposes the purpose and laws of Jihad as elaborated in Islam. The observation of Jihad is compulsory in Islam in both forms whether defensive or offensive. But often Muslim scholars who are influenced by the orientalist are misguided and refuse offensive side of Jihad and support only defensive Jihad. In our opinion their point of view is against Qur'an, and Sunnah and even against vast majority of *Aslaf* and *Jamhoor* scholars of Islam.

Nature and scope of Jihad along with its importance and

[°] ایسوسی ایٹ لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات

^{°°} پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف لاہور

objectives and other related issues have been explained in Quran and Sunnah. The gist of Islamic teachings about Jihad is that it aims to promote peace and justice in the society and intends to eliminate aggression, injustice and oppression.

KeyWords: جہاد، امن، تصور جہاد، اعلاء کلمۃ اللہ، خیر، فتح مکہ، جرائم، ایف بی آئی

جہاد کی تعریف

علامہ بدرالدین عینی اپنی کتاب ”عمدة القاری شرح صحیح بخاری“ میں جہاد کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

بذل الجہد فی قتال الکفار لإعلاء کلمۃ اللہ.⁽¹⁾

”اعلاء کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کی سر بلندی) کے لیے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت لگا دینا۔“

اسی طرح امام کمال الدین ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ بابر تقی نے عنایہ اور علامہ زین الدین نجیم مصری نے البحر الرائق میں جہاد کی درج ذیل تعریف بیان کی ہے:

"الجهاد هو الدعاء إلى الدين الحق والقتال مع من امتنع من القبول بالنفس والمال".⁽²⁾

”دین حق کی طرف دعوت دینا اور جو اس دعوت کو قبول نہ کرے اس کے ساتھ جان و مال سے جنگ کرنا جہاد ہے“

ان کا برین امت کی بیان کردہ دونوں تعریفوں سے جہاد کی تعریف کے ساتھ ساتھ ”علت قتال“ بھی سمجھ آ جاتی ہے کہ کفر کا خاتمہ و دین اسلام کی سر بلندی ”علت قتال“ ہے۔

چودہ سو سال کے تمام اکابر علماء دین کا اس اصول و قانون پر اتفاق ہے کہ جہاد ”مدافعتہ و جارحانہ“ دونوں صورتوں میں فرض ہے جیسا کہ مولانا احمد رضا بریلوی اپنی تصنیف ”المجحة المؤمنة في آية الممتحنة“ میں لکھتے

¹ - عینی، علامہ بدرالدین، عمدة القاری، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1421ھ، 2001ء، 109:14

² - مصری، زین الدین نجیم، البحر الرائق، کتاب السیر، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ، 1997ء،

ہیں:

"اجماع امت ہے کہ جہاد کفار محاربین بالفعل سے مخصوص نہیں، مدافعانہ و جارحانہ دونوں طرح کا حکم ہے۔ اجازت کا مدافعانہ میں حصر پہلے تھا، پھر قطعاً منسوخ ہو گیا (یعنی پہلے جہاد صرف دفاعی حالت میں کرنے کی اجازت تھی، اب یہ حکم قطعی طور پر منسوخ ہو چکا ہے۔ اب جہاد جارحانہ و مدافعانہ دونوں طور پر کرنے کا حکم ہے)"⁽¹⁾

امام حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی اسلامی فقہ کی اپنی مشہور کتاب "کنز الدقائق" میں کہتے ہیں:

"الجهاد فرض كفاية ابتداء"⁽²⁾ "جہاد میں ابتداء کرنا فرض کفایہ ہے۔"

"کنز الدقائق" کی شرح "البحر الرائق" میں اس اصول کی شرح کرتے ہوئے علامہ زین الدین نجیم مصری کہتے

ہیں:

"یہ عبارت فائدہ دیتی ہے کہ جہاد فرض ہے اگرچہ کافر پہل نہ کریں کہ آیات مبارکہ عام ہیں اور یہ جو قرآن پاک میں فرمایا کہ اگر وہ تم سے قتال کریں تو تم ان سے قتال کرو منسوخ ہے۔"⁽³⁾

امام برہان الدین مرغینانی اپنی تالیف "ہدایہ" میں جو صدیوں سے عالم اسلام کے مدارس دینیہ میں فقہی نصاب کے طور پر شامل ہے، کہتے ہیں:

"قتال الکفار واجب وإن لم یبدؤا للمعلومات"⁽⁴⁾

کفار سے قتال کرنا واجب ہے اگرچہ وہ قتال میں ابتداء نہ کریں اس لیے کہ جہاد کے احکام عام ہیں۔ اسی طرح مشہور فقیہ امام ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں "حدیث نبوی" "أُمرت أَنْ أَقاتِلَ الناسَ حتى یقولوا لا إله إلا الله" سے استشہاد کرتے ہوئے یہی اسلامی فقہ بیان فرمایا کہ "ہم مسلمان کفار سے جہاد کرنے میں پہل کریں" جہاد میں پہل کرنے کی یہ فرضیت صرف علمائے احناف نے نہیں بلکہ دیگر علماء نے بھی بیان فرمائی ہے۔ جیسا کہ شوافع کے امام محی الدین نووی نے "روضة الطالبین و عمدة المفتین" میں، مالکی فقیہ

¹ - بریلوی، مولانا احمد رضا خان، المحجة المومنه فی آية الممتحنة، رسائل رضویہ، مسلم کتابوی لاہور 1976ء، 1:111

² - نسفی، امام حافظ الدین عبداللہ بن احمد، کنز الدقائق، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ، 1997ء، 5:119

³ - مصری، زین الدین نجیم، البحر الرائق، کتاب السیر، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ، 1997ء، 5:119-120

⁴ - مرغینانی، امام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی، الہدایہ، کتاب السیر، المكتبة العربیہ کراتشی، ص: 239

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی مالکی نے "اکمال اکمال المعلم" میں اور فقہاء حنبلیہ میں سے ابن قدامہ حنبلی نے "المغنی" میں جہاد میں پہل کرنے کو صراحتاً فرض کفایہ کہا ہے۔⁽¹⁾ اور اگر مسلمانوں کو اسلامی ریاست کے امیر کی طرف سے حکم عام ہو جائے یا مسلم ریاست پر کفار کی طرف سے حملہ ہو جائے تو اس صورت میں ان تمام فقہائے اسلام کے نزدیک اس ریاست کے مسلمانوں پر جہاد کرنا فرض عین ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر اس ریاست کے مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کی مدد کی ضرورت ہو تو ان دوسرے مسلمانوں پر بھی جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ لہذا جہاد مدافعتیہ ہو یا جارحانہ دونوں صورتوں میں قطعاً فرض ہے اور اس پر اجماع امت ہے جیسا کہ مولانا احمد رضا بریلوی نے "فتاویٰ رضویہ" میں اس کی صراحت کی ہے۔ نیز یہ کہ اجماع امت کا منکر بمطابق قرآن و حدیث و صراحت ائمہ فقہاء و محدثین گمراہ ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیتے ہوئے سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾

”اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو جائے۔“⁽²⁾

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جہاد کا حکم دیتے ہوئے سورۃ توبہ میں، جو تصریح ائمہ مفسرین، فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی⁽³⁾ ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ

جَهَنَّمُ وَيُنْسِ الْمَصِيرُ﴾⁽⁴⁾

”اے نبی! کافروں اور منافقوں سے لڑائی کر اور ان پر سختی کر، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔“

پھر اسی سورہ میں ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ

¹۔ سعیدی، علامہ غلام رسول، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال، لاہور، 1427ھ / 2006ء، 5: 254

²۔ ایضاً، 5: 254-255

³۔ بریلوی، مولانا احمد رضا خان، المحجة المومنة في آية الممتحنة، رسائل رضویہ، 1: 110

⁴۔ التحريم 9: 66

غُلْظَةً⁽¹⁾

”اے ایمان والو! اپنے نزدیک کے کافروں سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔“
 اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مولانا احمد رضا بریلوی "المحجة المومنة في آية الممتحنة" لکھتے ہیں:
 "یہ حکم بھی جمیع کفار کو عام ہے۔ حکمت یہی ہے کہ پہلے پاس والوں کو زیر کیا جائے جب وہاں اسلام کا تسلط ہو جائے تو اب جو اس سے نزدیک ہیں وہ زیر ہو جائیں تو اب جو ان سے قریب ہیں یوں یہ سلسلہ شرعاً غرماً منتہائے زمین کو پہنچے اور بحمد اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا اور بعونہ تعالیٰ ایسا ہی بصورت اتم و کمال زمانہ امام مہدی موعود میں ہے۔⁽²⁾
 دین اسلام میں جہاں جہاد کا حکم ہے وہیں ہر موقع پر عدل کو بھی قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے چاہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیت مبارکہ میں عدل کا حکم دیتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاَنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾⁽³⁾

”اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہر گز نہ چھوڑو، انصاف کرو کہ یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ اس سے خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“
 اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں سے عدل کرنے اور حسن سلوک کرنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے جو کہ ان سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کرتے:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾⁽⁴⁾

”اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں

1- التوبہ 9: 123

2- المحجة المومنة في آية الممتحنة، رسائل رضویہ، 1: 111

3- المائدة 5: 8

4- الممتحنة 60: 8

انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“
 اسی طرح احادیث مبارکہ میں واضح طور پر جہاد سے متعلق ایسے تفصیلی قوانین بیان کر دیے گئے ہیں جو کہ عدل اور امن کے ضامن ہیں کہ جنگ و جہاد کے دوران ان پر عمل کا لازمی نتیجہ امن کا قیام ہے۔
 حضور نبی کریم ﷺ اسلامی لشکر روانہ کرتے وقت لشکر کو عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع فرماتے حضرت ابن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب ابن ابی حقیق کی طرف لشکر روانہ فرمایا تو اسلامی لشکر کو عورتوں اور بچوں کے قتل سے صریحاً منع فرما دیا⁽¹⁾

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں:
 "وجدت امرأة مقتولة في بعض مغازي رسول الله ﷺ، فنهى رسول الله ﷺ
 عن قتل النساء والصبيان." (2)
 ”حضور نبی کریم ﷺ نے ایک غزوہ میں کسی عورت کو دیکھا جسے قتل کر دیا گیا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے (سختی) سے منع فرمادیا۔“
 اسی طرح عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کے حوالے سے حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:
 "نهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والولدان." (3)
 ”حضور نبی کریم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔“
 حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی لشکر کو خاص طور پر بچوں کو قتل کرنے سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"و ان رسول الله ﷺ لم يكن يقتل الصبيان، فلا تقتل الصبيان." (4)

¹ - مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث: 9385

² - صحيح بخاری، كتاب الجهاد والسير، باب قتل النساء في الحرب، رقم الحديث: 3015

³ - المعجم الاوسط، رقم الحديث: 7011

⁴ - سنن دارمی، رقم الحديث: 2463

”بے شک نبی کریم ﷺ (جنگ میں) بچوں کو قتل نہیں کرتے تھے، سو تم بھی بچوں کو قتل مت کرنا۔“

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے انتہائی خوبصورت انداز میں بچوں کے قتل کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

"خياركم ابناء المشركين- الا! لا تقتل الذرية." (۱)

”تم میں سے بہترین لوگ بھی تو مشرکین ہی کے بچے تھے۔ خبردار! (جنگ کے دوران) بچوں کو قتل نہ کرنا۔“

ایک اور حدیث میں شیرخوار بچے، نابالغ بچے اور عورتوں کے قتل کے ساتھ بوڑھوں کو بھی قتل کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ولا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا ولا صغيرا ولا امرأة." (۲)

”کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، اور نہ کسی (شیرخوار) بچے کو اور نہ نابالغ بچے کو اور نہ کسی عورت کو۔“

ایک غزوہ کے دوران نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام پہنچایا کہ:

قل لخالد: لا يقتلن امرأة ولا عسيفا- وفي رواية: لا تقتلن ذرية ولا عسيفا.³

”خالد سے کہنا: (مشرک) عورتوں اور گزراؤں کو ہرگز قتل نہ کرے اور ایک اور روایت میں ہے کہ: بچوں اور خدمت گاروں کو ہرگز قتل نہ کرنا۔“

امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں ایک روایت نقل فرمائی ہے جس میں انتہائی احسن انداز میں تفصیل کے ساتھ وہ ہدایات نقل کی گئی ہیں جو نبی کریم ﷺ اسلامی لشکر کو مشرکین کی طرف روانہ کرتے وقت ارشاد فرماتے:

"ولا تقتلوا وليدا طفلا، ولا امرأة، ولا شيخا كبيرا، ولا تغورن عينا، ولا

تعقرن شجرة الا شجرا يمنعكم قتالا، ولا تمثلوا بآدمي ولا بهيمة، ولا

¹ - مسند احمد بن حنبل، رقم الحديث: 15626

² - سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین، رقم الحديث: 2614

³ - سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب الغارة والبيات وقتل النساء والصبيان، رقم الحديث: 2842

تغذروا ولا تغلوا." (1)

”کسی چھوٹے بچے کو قتل نہ کرنا، کسی عورت کو قتل نہ کرنا، کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، چشموں کو خشک دویران نہ کرنا، جنگ میں حائل درختوں کے سوا کسی درخت کو نہ کاٹنا۔ کسی انسان اور جانور کا مثلہ نہ کرنا، بد عہدی نہ کرنا اور چوری و خیانت نہ کرنا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اسلامی لشکر کو جہاد پر روانہ فرماتے تو ہدایات فرماتے:

"اخرجوا بسم الله، تقاتلون في سبيل الله، من كفر بالله- لا تغذروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا الولدان ولا اصحاب الصوامع." (2)

”اللہ پاک کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ تم اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرنے والے ہو ان لوگوں سے جو اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ سو تم بد عہدی نہ کرنا، چوری و خیانت نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، بچوں کو قتل نہ کرنا اور راہبوں کو قتل نہ کرنا“

شریعت اسلامیہ میں تو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں موجود ان کے راہبوں کو بھی قتل کرنے سے واضح طور پر منع فرمایا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تقتلوا اصحاب الصوامع"

”کلیساؤں کے متولیوں (پادریوں) کو قتل نہ کرو۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں میں کھڑے ہوئے، اللہ پاک کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر ارشاد فرمایا:

"الا! لا يقتل الراهب في صومعة" (3)

”خبردار! عبادت گاہوں میں موجود راہبوں کو قتل نہیں کیا جائے گا“

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کا طریقہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

1 - بیہقی، السنن الکبری، رقم الحدیث: 17934

2 - مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 2728

3 - مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: 33127

"كانوا لا يقتلون تجار المشركين" (1)

”مسلمان مشرک تاجروں کو قتل نہیں کرتے تھے۔“

اس کے علاوہ بھی جو شخص جنگ میں حصہ نہ لے، چاہے وہ بوڑھا ہو یا جوان، مرد ہو یا عورت اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے ہر اس شخص کو امان عطا فرمادی جس نے ہتھیار ڈال دیا تھا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من دخل دار ابی سفیان فهو آمن، ومن القی السلاح فهو آمن، ومن

اغلق بابہ فهو آمن" (2)

”جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اسے امان ہے، جو شخص ہتھیار ڈال دے اسے بھی امان ہے اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے۔“

صحیحین میں ایک اور نبوی اصول بیان کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ رات کی بجائے صبح کے وقت لوگوں پر حملہ کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"ان رسول الله ﷺ اتی خیبر لیلاً، و کان اذا اتی قوما بلیل لم یغربہم حتی

یصبح" (3)

”رسول اللہ ﷺ رات کے وقت خیبر کے مقام پر تشریف لائے۔ اور آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی جگہ رات کو پہنچتے تو صبح ہونے تک وہاں کے لوگوں پر حملہ نہیں کرتے تھے۔“

اور جنگ کے دوران اسلامی لشکر کو اجازت نہیں تھی کہ اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر گھسا جائے اور ان کی عورتوں کو مارا پیٹا جائے۔ حضرت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان الله لم یجل لکم ان تدخلوا بیوت اهل الکتاب الا باذن، ولا ضرب

¹ - السنن الکبری للبیہقی، رقم الحدیث: 17939

² - صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکة، رقم الحدیث: 1780

³ - جامع الترمذی، أبواب السیر عن رسول الله ﷺ، باب فی البیات والغازات، رقم الحدیث: 3961

نسائهم ولا اكل ثمارهم" (1)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال نہیں کیا کہ تم اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہو اور ان کی عورتوں کو پیٹنا اور پھلوں کو کھانا بھی حلال نہیں۔“
اسی طرح جنگ کے دوران لوگوں کے گھروں میں کی جانے والی لوٹ کھسوٹ کی بھی قطعاً اجازت نہیں یہ عمل جہاد کے منافی ہے جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"من ضيق منزلا او قطع طريقا فلا جهاد له." (2)

”جو شخص لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان کو تنگ کرے یا راستوں میں لوٹ مار کرے تو اس کا یہ عمل جہاد نہیں۔“

حضور ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء کا بھی یہی طریق کار رہا۔ امام ترمذی اپنی سنن میں روایت نقل کرتے ہیں:
"نہی ابو بکر الصديق ان يقطع شجرا مثمرا او يخرب عامرا و عمل بذلک المسلمون بعده." (3)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جنگ کے دوران) پھل دار درخت کاٹنے اور عمارت کو تباہ کرنے سے منع فرمایا اور آپ کے بعد بھی مسلمان اسی بات پر عمل کرتے رہے۔“
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ نے شام کی طرف لشکر روانہ فرمایا تو حضرت سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"انی اوصیک بعشر: لا تقتلن صیبا ولا امرأة، ولا کبیرا هرما، ولا تقطعن شجرا مثمرا، ولا تخربن عامرا، ولا تعقرن شاة، ولا بعیرا الا لما کلة، ولا تغرقن نخلا، ولا تحرقنه، ولا تغلل ولا تجبین." (4)

”میں تمہیں دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں: کسی بچے کو، عورت کو، بوڑھے کو اور بیمار کو ہرگز قتل

¹ -السنن الکبری للبیہقی، رقم الحدیث: 18508

² -سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب ما یؤمن من انضمام العسکر وسعته، رقم الحدیث: 2629

³ -سنن ترمذی، أبواب السیر عن رسول اللہ ﷺ، باب فی التحریق والتخرب، رقم الحدیث: 1552

⁴ -الموطا امام مالک، رقم الحدیث: 965

نہ کرنا اور کوئی بھی پھل دار درخت ہر گز نہ کاٹنا اور نہ ہی کسی آباد گھر کو ویران کرنا اور کسی بھیڑ اور اونٹ کی کوچیں نہ کاٹنا مگر کھانے کے لئے، اور کھجور کے درختوں کو مت کاٹنا اور نہ ہی جلانا، اور مال غنیمت تقسیم کرنے میں دھوکہ نہ کرنا اور نہ ہی بزدلی دکھانا۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کی طرف لشکر روانہ کرتے ہوئے اہل لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اوصیکم بتقوی اللہ، لا تعصوا ولا تغلوا، ولا تجنبوا، ولا تغرقوا نخلا، ولا تحرقوا زرعاً، ولا تحسبوا بہیمۃ، ولا تقطعوا شجرة مثمرة، ولا تقتلوا شیخا کبیرا، ولا صبیبا صغیرا۔" (1)

”میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور (اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ) نا فرمانی نہ کرنا، بزدلی نہ دکھانا، کھجور کے درختوں کو نہ کاٹنا، کھیتیاں نہ جلانا، چوپایوں کو قید کر کے نہ رکھنا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا اور کسی شیخ فانی کو قتل نہ کرنا اور نہ ہی کسی چھوٹے بچے کو قتل کرنا۔“

اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں کہ ان کے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط آیا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا:

"لا تغلوا ولا تغدروا، ولا تقتلوا ولیدا، واتقوا اللہ فی الفلاحین۔" (2)

”دھوکہ نہ کرنا، غداری نہ کرنا، بچوں کو قتل نہ کرنا اور کسانوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔“ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق مصنف عبدالرزاق میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا یقذف علی جریح، ولا یقتل اسیر، ولا یتبع مدبر" (3)

”زخمی کو فوراً قتل نہیں کیا جائے گا، نہ ہی قیدی کو قتل کیا جائے گا اور نہ بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے گا۔“

¹- مروزى، مسند ابى بکر الصديق: رقم الحديث: 21

²- مصنف ابن ابى شیبہ، رقم الحديث: 33120

³- مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث: 18590

مندرجہ بالا آیات مبارکہ و احادیث مبارکہ سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ جنگ کے دوران بھی مکمل طور پر عدل سے کام لینا ہے اور بچوں، بوڑھوں، عورتوں، راہبوں کو قتل نہیں کرنا حتیٰ کہ انسان تو درکنار کسی جانور تک کا بھی مثلہ نہیں کرنا۔ اور چشموں کو بھی خشک نہیں کرنا کہ انسان ان سے پانی نہ پی سکے اور نہ ہی بغیر ضرورت کے درختوں کو کاٹنا ہے اور جہاد کی آڑ میں کسی بھی قسم کی بد عہدی اور چوری و خیانت کی گنجائش نہیں ہے۔ عدل پر مشتمل اسلام کے یہ جنگی قوانین امن کے ضامن ہیں اور اگر اسلام کے ان جنگی قوانین پر عمل کیا جائے تو کوئی بھی ریاست یا معاشرہ بد امنی کا شکار نہیں ہو گا کیونکہ ان قوانین پر عمل کرتے ہوئے کم سے کم جانی و مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

جہاں جہاد کے دوران ایسے اسلامی قوانین ہیں جن کا جنگ و قتال کے دوران خیال رکھنا انتہائی اہم ہے اسی طرح جہاد کے مباح و واجب ہونے کی بھی کچھ شرائط ہیں اور اس کا شریعت اسلامیہ میں ایک مکمل نظام دیا گیا ہے۔ ائمہ فقہاء نے صراحتاً یہ حکم ارشاد فرمایا ہے کہ کفار سے جہاد کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دی جائے گی اور اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو مشرکین عرب اور مرتدین کے علاوہ جو دیگر کفار ہیں ان کو کہا جائے گا کہ جزیہ دو اور اس جزیہ کے بدلے میں ان کفار کی جان، مال، عزت و آبرو کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوگی اور اگر کفار جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو تب ان سے قتال کیا جائے گا۔⁽¹⁾ جہاد میں ابتداء کرنے سے پہلے یہ بھی دیکھا جائے گا کہ کہیں ہمارا ان سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تو نہیں اور جنگ میں ابتداء کرنے سے پہلے مسلمانوں کو فتح کا غالب گمان ہو۔ اگر مسلمان کمزوری کی حالت میں ہوں، ان کے پاس کافی اسلحہ نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی جنگ کی ابتداء کرنا جائز نہیں۔ اور وہ آیات اور فقہاء کرام کی عبارات جن میں کہا گیا ہے کہ جہاد میں پہل کرنا واجب ہے، ان کے بارے میں مولانا احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں:

”ان کا تعلق سلاطین اسلام، عساکر اسلام اور اصحاب خزائن و اسلحہ و استطاعت سے ہے۔“⁽²⁾

جیسا کہ شریعت اسلامیہ کا قاعدہ ہے کہ ”ہر فرض بقدر قدرت و ہر حکم بشرط استطاعت ہے۔“⁽³⁾

پچھلی آسمانی کتابوں میں بھی واضح انداز میں جہاد میں پہل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ تورات میں کتاب استثناء کے باب 20 میں ہے کہ جنگ کرنے سے پہلے مخالفین کو صلح کا پیغام دیا جائے اور اگر وہ صلح کر لیں تو تیرے

1- کاسانی، علامہ ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی 1400ھ، 7: 100

2- بریلوی، مولانا احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، رضافاؤنڈیشن لاہور، 1998ء، 14: 446

3- ایضاً، 14: 147

خدمت گزار بن کر زندگی گزاریں اور اگر صلح نہ ہو پائے تو پھر جنگ کی جائے اور ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالا جائے:

”جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اُسے صلح کا پیغام دینا اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھانک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے باشندے تیرے باجگزار بن کر تیری خدمت کریں اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تُو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔“ (1)

حتیٰ کہ تورات میں یہاں تک حکم دیا گیا ہے کہ جنگ کے دوران مفتوحہ علاقوں کے ہر ذی نفس انسان کو قتل کر دینا اور ہر دشمن قبیلہ کو خدا کے حکم کے مطابق نیست و نابود کر دینا:

”ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا امیراٹ کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتانہ بچا رکھنا۔ بلکہ تُو ان کو یعنی جتنی اور اموری اور کنعانی اور فرژی اور حوئی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا۔“ (2)

اب اس جنگ و قتال کا فلسفہ بیان کیا جاتا ہے کہ آخر یہودیت میں اس قتال عظیم کا حکم کیوں دیا گیا اور اس کی کیا وجہ ہے؟ تورات میں جہاں اتنے بڑے قتال کا حکم دیا گیا وہیں ساتھ اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ کہیں یہ گمراہ لوگ تمہیں بھی گمراہ نہ کر دیں اور تمہیں خدا کے سیدھے راستے سے بھٹکا کر کفر و شرک اور گناہ کے راستے پر نہ لے جائیں اور تم کو وہ مکروہ کام نہ سکھادیں جو وہ اپنے باطل معبودوں کے لئے کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ کتاب استثناء کے باب ۲۰ کی آیت میں ہے:

”تاکہ وہ تمہیں اپنے مکروہ کام نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لیے کیے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو۔“ (3)

تورات وہ آسمانی کتاب ہے جو کہ یہود و نصاریٰ دونوں کے لیے حجت ہے کہ اس پر عیسائی اور یہودی دونوں ایمان رکھتے ہیں۔

¹۔ استثناء، باب 10:20-13

²۔ استثناء، باب 16:20-17

³۔ استثناء، باب 20:18

بخاری و مسلم کی صحیحین میں روایت کردہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، ويقيموا الصلاة، ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماءهم وأموالهم إلا بحق الإسلام وحسابهم على الله." (1)

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور اگر انہوں نے ایسا کر لیا انہوں نے مجھ سے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیا سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔“

اس حدیث سے صراحتاً یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کفار سے قتال میں پہل کرنا فرض ہے یہاں تک کہ وہ توحید و رسالت کی گواہی دیں اور اس کے ساتھ ساتھ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ بھی ادا کریں۔ مطلب یہ کہ اسلام اور اس کے پورے نظام کو قبول کریں اسی لیے توحید و رسالت کی گواہی کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر وہ ان میں سے کسی بھی امر کا انکار کریں تو ان کے ساتھ قتال کیا جائے گا۔ اس حدیث یا ک سے جہاد کا مقصد بھی واضح ہوتا ہے کہ جہاد کا مقصد خدا کی زمین پر خدا کے دین کو نافذ کرنا ہے۔ مزید یہ کہ اسی دلیل کی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے مجاہدین جہاد کا علم لے کر نکلے اور پورا عرب، ایشیا، یورپ اور افریقہ میں بڑی بڑی ریاستوں کو فتح کیا اور وہاں دین اسلام کا پرچم لہرایا۔

اب سوال یہ ہے کہ جہاد میں ابتداء کیوں فرض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی ادیان و نظام موجود ہیں یا تو وہ الہامی ہیں یا انسانی۔ الہامی ادیان میں سے اسلام کے علاوہ تمام کے تمام اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں، ان میں تحریف واقع ہو چکی ہے۔ باقی رہ گیا انسان کا بنایا ہوا نظام تو کیا یہ ممکن ہے کہ حاکم حقیقی و اس کائنات کے خالق حقیقی کو چھوڑ کر اس کائنات کو ایک کمزور، مجبور اور خواہشات نفسانی کے مارے ہوئے انسان کے بنائے ہوئے نظام و قانون کے مطابق چلایا جاسکے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ ایک انسان جس کی کمزوری و بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ اس دنیا میں خود آسکتا ہے نہ خود جاسکتا ہے، جس کی زندگی و موت اس کے اپنے اختیار میں نہیں، جس کا علم و قدرت انتہائی محدود، جو اپنے جسم میں موجود روح حیات تک سے غیر معروف و مجہول کہ نہیں جانتا کہ زندگی کیا

¹ - صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا الشهادتين، رقم الحديث: 22

ہے؟ روح کیا ہے؟⁽¹⁾ تو ایسے انسان کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق کیسے دنیا کو چلایا جاسکتا ہے؟ ایسے نظام کا نتیجہ سوائے ظلم و بربریت اور ہلاکت و سفاکت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کا تاریخی ثبوت دیکھنا ہو تو آج جمہوریت و آمریت، نیشنلزم، سوشلزم و کیپٹل ازم جیسے انسانی نظریات پر مشتمل قوانین سے چلائی جانے والی تمام ریاستیں دیکھ لیں۔ مزید یہ کہ آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے الہامی و ربانی افکار و قوانین کی بنیاد پر قائم کی جانے والی ریاست مدینہ بھی دیکھ لیں جس کے بانی و امیر نبی کریم ﷺ ہیں۔ الہامی قوانین کی بنیاد پر تشکیل پانے والی اور انسانی قوانین کے مطابق قائم کی جانے والی ریاستوں کا فرق واضح ہو جائے گا۔

خدائے علیم و قدیر کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق قائم کی جانے والی ریاست مدینہ کا نظم و نسق دیکھو، اس کا نظام عبادات ہو یا سیاست و حکومت، اس کا معاشرتی نظام ہو یا نظام معیشت و تجارت، نظام عدل و انصاف ہو یا نظام تعلیم و تربیت ہر ایک نظام ایک آئیڈیل نظام ہے جس کا نتیجہ تصور توحید پر مشتمل ایک اعلیٰ درجے کی "انسانی تہذیب" کی تشکیل کی صورت میں سامنے آیا۔ یہ تہذیب ہی دراصل "اسلامی تہذیب" ہے کہ جس کی بنیاد ہی یہ ہے کہ حاکم حقیقی و مالک حقیقی، حقیقی معبود و موجود بس ایک اللہ ہے۔ کسی انسان کو حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنے آگے جھکائے، خود کو اس سے سجدہ کرائے، عوام پر حاکم حقیقی بن کر بیٹھ جائے اور ان پر ظلم ستم کے پہاڑ ڈھائے۔ اور یہی تصور توحید تھا کہ ریاست مدینہ میں ایسے تہذیب یافتہ معاشرہ کی تشکیل پائی کہ جہاں انسانیت اپنے عروج پر ہے، خدا کو جواب دہی کے تصور کی وجہ سے خدائی قوانین کے مطابق عدل و انصاف اس معاشرہ کا بنیادی اصول ہے، جہاں عزت کا معیار نسب و حسب نہیں بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ جہاں خدائی قانون کے سامنے سب برابر ہیں۔ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ علم کا حصول جہاں عبادت ہے، محبت و وفا، شرم و حیاء اور طہارت و پاکیزگی جس معاشرہ کی فضا ہے۔ جہاں کے انسان خواہشات نفسانی سے یکسر آزاد ہیں۔ جن کو اپنے حقوق لینے کی بجائے دوسروں کو حقوق دینے کی فکر ہے۔ جہاں آقا ہو کہ غلام، مرد ہو یا عورت، سب عاجزی و انکساری کے پیکر ہیں اور عفو درگزر ان کا شعار ہے۔

اس کے مقابلے میں آج کی انسان پرستی و مغربی جمہوریت کے اصول پر تشکیل پانے والی مغربی تہذیب دیکھیں کہ جہاں خدا کی بجائے عوام طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ جہاں خدائی قوانین کی بجائے انسان کے بنائے ہوئے

1- فتاویٰ رضویہ، 26: 600

تنت زندہ بجال جان نہانی

تواز جاں زندہ و جاں راندانی

تیر ابدن مخفی جان کی وجہ سے زندہ ہے، تو جان کے سبب زندہ ہے اور جان کو نہیں جانتا

قوانین کے مطابق انسان ہی کی حکومت ہے۔ جہاں انسان اپنے زعم فاسد میں خود ہی خدا بنا بیٹھا ہے۔ اور یہ وہ تہذیب ہے جو آج پوری دنیا پر غالب ہے۔ آج مغربی تہذیب کے حامل ممالک کو دیکھیں تو انتہائی افسوس ناک و عبرتناک صورت حال سامنے آتی ہے۔ پتا چلتا ہے کہ یہ مغربی فکر و تہذیب پر مبنی یہ معاشرہ کس طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور انسانیت کے مقام سے کتنا گر چکا ہے۔ جہاں شیطانی ننگا ناچ ناچ رہی ہے۔ جہاں خدا کا تصور مسخ ہو چکا ہے۔ زنا، جوا اور شراب نوشی جیسی معاشرتی بیماریاں ان کی فطرت ثانیہ بن چکی ہیں۔ جہاں ماں بہن، میاں بیوی جیسے دینی رشتوں کا تصور اور ان کی اہمیت دم توڑ چکی ہے۔ جہاں حدود و قصاص جیسی سزائوں کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں جو کہ کسی بھی معاشرے کے امن کی ضامن ہوا کرتی ہیں۔

اب ان مغربی ممالک میں سے صرف امریکہ میں جاری انسانیت سوز جرائم اور ظلم و بربریت سے متعلقہ کچھ حقائق بیان کیے جاتے ہیں جو کہ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق نے اپنی کتاب ”یہ ہے مغربی تہذیب“ میں مختلف اخبارات کے حوالے سے تحقیق کے ساتھ بیان کیے ہیں۔⁽¹⁾ 1984ء میں صرف امریکہ میں 60 لاکھ جرائم ہوئے جن میں سے 26 ہزار جرائم قتل تھے۔ اور 1991ء میں یہ شرح قتل بڑھتے ہوئے 42 ہزار تک جا پہنچی ہے۔ اسی طرح امریکی سینٹ کے ارکان پر مشتمل عدالتی کمیٹی کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں ہونے والے جرائم کی مجموعی تعداد برطانیہ و فرانس، جرمنی و کینیڈا اور جاپان میں ہونے والے جرائم سے دو گنا زیادہ ہے اور یہ جرائم وبا کی طرح امریکہ میں پھیل چکے ہیں۔ اسی طرح چوری و ڈاکہ کا معاملہ دیکھیں تو صرف امریکہ میں 1993ء میں سولہ لاکھ گاڑیاں چوری ہوئیں اور اس چوری سے ہر 100 میں سے گھرانے متاثر ہوئے۔ امریکی سرجن جنرل جوائن لان ایلڈرز کے مطابق امریکہ میں ہر سال 50 ہزار افراد تشدد کے ساتھ ہلاک کیے جاتے ہیں اور امریکہ میں نوجوانوں کے قتل کی شرح دوسرے کئی ممالک سے زیادہ ہے حتیٰ کہ بعض ممالک سے 20 گنا زیادہ ہے۔ امریکہ میں ہر 5 منٹ بعد ایک زنا بالجبر ہوتا ہے اور 90 فیصد عورتیں خوف یا کسی اور وجہ سے مجرم کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کی بجائے خاموش رہتی ہیں۔ امریکہ کی 18 سال سے کم عمر نوجوان نسل میں سے 12 فیصد کسی نہ کسی ذہنی مرض یا الجھن میں مبتلا ہیں۔ اور 1992ء میں جتنے بھی لوگ امریکہ میں مرے ان میں سے 29760 لوگوں نے خودکشی کی۔ جبکہ کثرت زنا و ہم جنس پرستی کی وجہ سے 33590 لوگ موت کا شکار ہوئے اور 26570 وہ لوگ ہیں جن کو ان کے اپنے ہی باپ یا بھائی نے قتل کیا۔ جنوبی امریکہ میں جرائم کا یہ عالم ہے کہ وہاں پاگل مریضوں کو خود ہلاک کر کے ان کے اعضاء فروخت کر دیے جاتے ہیں اور ان مریضوں کے بارے میں

1- فاروق، عبدالغنی، ڈاکٹر، یہ ہے مغربی تہذیب، کتاب سرائے لاہور 2016ء، ص: 194-198

کہا جاتا ہے کہ یہ لاپتہ ہو گئے ہیں۔ 15 سال میں ار جنٹائن کے صرف ایک ہسپتال میں 1395 مریض ایسے تھے جن کے بارے میں یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ لاپتہ ہو گئے ہیں۔ اسی طرح لون اسٹار کالج امریکہ کے ایک انڈین پروفیسر ڈاکٹر غلام زر قانی جو کہ خود مدافعت جہاد کے نظریہ کے قائل ہیں، اگرچہ ان کا مدافعت جہاد کا نظریہ تھوڑا سا مختلف ہے، انہوں نے اپنی کتاب ”اسلام زدہ کیوں؟“ میں امریکہ میں ہونے والے جرائم سے متعلق 2012ء و 2014ء کی کچھ رپورٹوں سے حقائق نقل کیے ہیں۔ اور یہ وہ حقائق و شماریات ہیں جو ایف بی آئی نے امریکہ کے ہی قانونی و تعلیمی اداروں سے لے کر شائع کیے ہیں۔ ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق 2012ء میں امریکہ کے 18000 شہروں میں 4.35 سیکنڈ ایک قتل، 6.2 سیکنڈ ایک زنا بالجبر، 1.5 سیکنڈ ایک چوری، فی 4.5 سیکنڈ ایک نازیبا حرکت ہوتی ہے۔ 2014ء⁽¹⁾ میں پورے امریکہ کے حوالے سے جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے مطابق:

- 35 فیصد عورتیں گھریلو تشدد کا شکار ہوتی ہیں۔
- 70 فیصد مقتولہ عورتیں اپنے شناساؤں کے ہاتھوں ماری جاتی ہیں۔
- 82 فیصد عورتیں جیل کی ہوا کھانے والی عورتیں ہوتی ہیں جو صغر سنی ہی میں جنسی دست درازی کا شکار ہو جاتی ہیں۔
- دس میں سے تین عورتیں اور ایک مرد جنسی دست درازی کا شکار ہوتے ہیں۔
- 60 فیصد بچے تشدد، جرائم اور دست درازی میں ملوث ہوتے ہیں۔
- 19.3 فیصد عورتیں اور 7.5 فیصد مرد اپنی زندگی میں زنا بالجبر کا شکار ہوتے ہیں۔⁽²⁾

یہ ہے مغربی تہذیب یافتہ ممالک میں سے صرف ایک ملک امریکہ کی ہلکی سی جھلک۔ الامان الحفیظ۔ اور یہی مغربی تہذیب یافتہ امریکہ ہے جس نے برطانیہ کے ساتھ مل کر جاپان کے شہروں ہیرو شیمہ اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر ظلم و بربریت کی وہ داستان رقم کی جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اس ایٹمی حملہ میں دیکھتے ہی دیکھتے دو سے تین لاکھ افراد موقع پر جاں بحق ہو گئے اور آج بھی وہاں پیدا ہونے والے بچے ایٹمی جراثیم کی وجہ سے معذور پیدا ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مغربی ممالک کی آپس میں لڑی جانے والی صرف دو جنگوں، جنگ عظیم اول و جنگ عظیم دوم کا تاریخی و تحقیقی مطالعہ کیا جائے تو انسان کی روح کا نپ اٹھتی ہے کہ ظالموں نے اپنی حکومت

1- غلام زر قانی، ڈاکٹر، اسلام زدہ کیوں؟، دارالاحیاء لاہور 2016ء، ص: 216

واقفدار کی خاطر کیا کیا ظلم کیے۔ صرف جنگ عظیم اول میں 90 لاکھ جنگجو اور 70 لاکھ عام افراد موت کی گھاٹ اتارے گئے۔ دو کروڑ دس لاکھ افراد سے زائد زخمی ہوئے اور پچاس لاکھ وہ افراد ہیں جو مختلف بیماریوں، بھوک اور برے حالات کے سبب موت کا شکار ہوئے۔

اب مثال کے طور پر عیسائی مستشرقین میں سے ایک عیسائی مستشرق کے کچھ اقوال ”نقل کفر کفر نہ باشد“ کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں کہ جن مستشرقین کے پروپیگنڈہ سے مرعوب ہو کر بعض کمزور فکر کے مسلمان دفاعی جہاد کے نظریہ کو پیش کر رہے ہیں وہ مستشرقین کیا عزائم رکھتے ہیں اور وہ کیا افکار و نظریات اپنی عوام کے سامنے بیان کر رہے ہیں۔ فرانس کا ایک شدت پسند عیسائی مستشرق کیمن اپنی کتاب بائیبلوجیکل اسلام میں مسلمانوں کے خلاف اپنی دہشت گردی پر مشتمل سوچ کو یوں بیان کرتا ہے:

”دین محمد ﷺ ایک ایسا جزام ہے (نعوذ باللہ من ذلک) جو بڑی شدت کے ساتھ عالم انسانیت میں اپنی جڑیں جما کر جسد انسانیت کے جملہ اعضاء کو ایک ایک کر کے تباہ و برباد کرتا جا رہا ہے۔ اسلام ایک خوفناک مرض اور پورے کے پوری جسد انسانیت کے لیے ایک طرح کا فالج ہے۔ یہ ایک ایسی دیوانگی ہے جو انسان کو گوشہ نشین بنا کر اسے کاہلی، غفلت اور سستی کا عادی بنا دیتی ہے۔ اولاً تو یہ دیوانگی مسلمان کا پیچھا چھوڑتی ہی نہیں اور اگر چھوڑتی ہے تو اسے غفلت و کاہلی سے بیدار کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ اسے اس لیے بیدار کرتی ہے تاکہ وہ بے گناہ انسانوں کا خون بہائے، شراب نوشی کرے اور ہر طرح کے فتنہ و فساد کو برپا کرنے کے لیے مصروف رہے، محمد ﷺ کی قبر (نعوذ باللہ من ذلک) ایک ایسا پاور اسٹیشن ہے جہاں سے مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں جنون و دیوانگی کی لہریں پیدا کی جاتی ہیں۔ اس قبر کو دیکھ کر مسلمانوں کو مرگی اور عقلی مدہوشی اور حواس باختگی کے ایسے دورے پڑنے لگتے ہیں جو ختم ہونے کا نام تک نہیں لیتے۔ جب مسلمان اس کی زیارت کر کے واپس لوٹتے ہیں تو ان کی اصل طبیعتیں بالکل مسخ ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور وہ صحیح معنوں میں ایسے درندے بن چکے ہوتے ہیں کہ جنہیں شراب اور موسیقی سے نفرت و عداوت کے سوا کسی دوسری چیز کی فکر نہیں ہوتی۔ پس اسلام سارے کا سارا سنگدلی اور لذت کشی میں ڈوب جانے کے سوا کچھ نہیں۔“⁽¹⁾

1- جلال عالم، علامہ، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں، مترجم محمد کفایت اللہ، دارالبلاغ لاہور، صفحہ 119، بحوالہ

اپنی مذہبی و فکری دہشت گردی کو بیان کرتے ہوئے یہ عیسائی مستشرق مزید لکھتا ہے:

میرا اعتقاد ہے کہ کم از کم مسلمانوں کی کل آبادی کے پانچویں حصہ کو تو بالکل تباہ و برباد کر دینا چاہیے۔ ایسا کرنا یورپ کے مادی و معنوی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے انتہائی طور پر واجب ہے اور پھر باقی جو مسلمان بچیں ان میں سے چوتھے حصہ کو محنت و مزدوری اور انتہائی مشقت طلب کاموں میں جبراً و قہراً لگا دینا چاہیے۔ ہم یورپ والوں کے لیے واجب ہے کہ (نعوذ باللہ من ذلک) ہم کعبہ کو گرا دیں اور محمد ﷺ کی قبر کو پھاڑ کر اس کے اندر سے ان کی نعش اور ان کی ہڈیاں نکال کر لو فر کے عجائب خانہ کی زینت بنائیں (نعوذ باللہ من ذلک)۔“⁽¹⁾

کیا دنیا ایسے ظالم و خون خوار جانوروں سے بھی بدتر انسانوں کے حوالے کر دی جائے اور ایسے وحشی انسانوں کے بنائے ہوئے نظام کے حوالے کر دی جائے جن کی فطرت انسانیہ کلیہً مسخ ہو کر فطرت شیطانیہ ہو چکی ہے؟ نہیں! تو پھر کن لوگوں کے حوالے کی جائے اور کونسا نظام لایا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دنیا کے جھوٹے خداؤں کی بجائے سچے معبود برحق کے عاجز خلفاء کے حوالے کی جائے۔ وہ خلفاء جو خدائے لم یزل کے احکام و قوانین کے مطابق ہی اس دنیا کو چلائیں۔ وہ خلفاء جو خود کو حاکم حقیقی نہیں بلکہ خود کو حضور ﷺ کے فرمان "سید القوم خادمہم" "قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے" کے مطابق خود کو قوم کا خادم سمجھیں۔ وہ خلفاء سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی طرح خلافت علی منہاج النبوة، خلافت راشدہ قائم کریں جیسا کہ ان خلفاء نے مدینہ کی ریاست میں کی تھی۔

غلامی کی جدید اشکال اور انسدادِ غلامی سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی کے تناظر میں

ڈاکٹر عبدالغفار

ABSTRACT

Islam is the best protector and flag bearer of the human rights but presently Muslim societies are facing various forms of modern slavery such as colonial supremacy, child labour, discriminatory customs against women, human trafficking etc. These issues should be handled in the guidance of Seerah of the Prophet (SAW).

The slavery, in vogue, in the era of the Prophet (SAW) was gradually eliminated from the society as many virtues and bounties were quoted in the Holy Quran and Hadith for releasing slaves that no other noble deed would hardly match it. Islamic teachings encourage to set the slaves free in *Karfarat* (expiates) like in violating *Saum*, *Qatl*, *Tahara*, *Qasam*, *Zihare* etc. The Prophet (SAW) is quoted to have said that if someone punishes his slave unjustifiably then the best *kaffarah* for him is to set him free.

Key words: غلامی، سد باب، غیر قانونی، بھائی چارہ، المعجم المنہرس، مقننہ

قرآن مجید نے اپنی تعلیمات کے ذریعے اپنے رسول ﷺ کو ایسے احکام دیئے اور رسول ﷺ نے ان ہدایات کو ایسے عملی اقدامات میں ڈھالا کہ غلامی کے ادارے کے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانے کی راہ ہموار ہو گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو دوسری اخلاقی برائیوں کی طرح یہ بھی پورے عروج پر تھی۔ الہامی شریعت کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں کی اصلاح بتدریج کرتی ہے۔ اللہ کے نبی پہلے لوگوں کے نظریات، عقائد اور سوچ میں تبدیلی لاتے ہیں یعنی ذہنوں کو اس تبدیلی کے لیے تیار کرتے ہیں پھر پابندی لگاتے ہیں جیسا کہ شراب و سود کے معاملہ میں ہوا۔ یہی حکمت عملی قرآن کریم نے غلامی کی رسم بد کو ختم کرنے کے لیے اختیار کی، اور مساوات انسانی کا درس دیا اور لوگوں کے لیے حقوق متعین کیے۔

قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کی صورت میں انہی تدریجی احکامات کا نتیجہ ہے کہ غلام بنانے کا عمل ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ آج روئے زمین پر کہیں بھی اس جاہلی رسم غلامی کا وجود نہیں رہا جو طلوع اسلام کے وقت رائج تھی۔ غلامی کے حوالے سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اتنے زیادہ احکام اور اصلاحات کے باوجود، مسلمانوں کی کم و بیش ہزار ہا برس کی حکمرانی میں غلامی کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔ بالآخر یورپ و امریکہ نے بلکہ امریکی صدر ابراہام لنکن (1809ء-1865ء) نے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ یہ اعتراض اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن یہ کمزوری ہمارے دین اور شریعت کی نہیں بلکہ ہمارے حکمرانوں کی ہے جنہوں نے اپنی کمزور قیادت کے باعث اللہ تعالیٰ کے احکام کی اس طرح پاسداری نہ کی جس طرح کہ اس کا حق تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اعزاز و اصول میں اسلام اور مسلمانوں کا فخر بننا تھا، ابراہام لنکن نے حاصل کر لیا۔

دور حاضر میں غلامی کی جدید اشکال موجود ہیں جیسے کہ قرض کی بنا پر جبری مشقت، جاگیر دارانہ نظام میں جاگیر داروں کے کھیتوں میں نسل در نسل کام کرنے والے زرعی کسان، رقم لے کر یا کسی اور حوالہ سے بیٹیوں کو دوسروں کے سپرد کرنا، بچوں کی مشقت و مزدوری، انسانی سمگلنگ وغیرہ۔ مقالہ ہذا میں انہی پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مطالعہ سیرت النبی کی روشنی میں اس مسئلہ میں رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

دین اسلام دنیا کا وہ واحد دین ہے جس نے حقوق انسانی کی بہت تاکید کی ہے۔ اس دین نے نوع انسانی کو جو حقوق و مراعات عطا کی ہیں ان کے مطالعہ کے بعد اکثر ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس نے دوسری معاشرتی برائیوں کی طرح غلامی کی رسم بد کو ختم کرنے کی بجائے باقی کیوں رکھا؟ یہ سوال دراصل تب پیدا ہوتا ہے جب اسلام کی جائز کی ہوئی غلامی کو دیگر مذاہب و اقوام کی غلامی پر قیاس کیا جاتا ہے۔ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کیے ہیں اور معاشرے میں جو مقام دیا ہے اسکے بعد یہ محض نام کی غلامی رہ گئی حقیقت میں بھائی چارہ بن گئی۔ اس

بات کی تصدیق کے لیے ہم ذیل میں غلامی کے مفہوم، جو از اور غلاموں کو عطا کیے گئے حقوق کا جائزہ لیں گے۔⁽¹⁾

غلامی کا مفہوم

لغت کی مشہور کتاب ”اعجاز اللغات“ میں لفظ غلام کے درج ذیل معنی بیان ہوئے ہیں:

غلام: زر خرید خادم، نوکر، بندہ

غلام بنانا: نوکر بنالینا، مطیع کرنا

غلامی: حلقہ بگوشی، بندگی، قید، اسیری، زبردستی سپردگی، تحویل

غلامی اختیار کرنا: ملازم ہونا، مطیع ہونا، اطاعت قبول کرنا، غلام بن جانا۔

غلامی میں دینا: خدمت میں دینا، خدمت کرنے کے لیے دینا، پیش کرنا۔⁽²⁾

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں غلام کے معنی ہیں لڑکا، نوکر، غلام، عبد۔ عبد کے معنوں میں یہ اکثر ایران اور ہندوستان کے اسمائے معرفہ میں ملتا ہے۔⁽³⁾ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن کے مطابق قرآن کریم میں لفظ غلام تیرہ مرتبہ آیا ہے۔ (آل عمران 40 یوسف 19، الحجر 53، مریم 7، 8، 19، 20، الصافات 10، الذاریات 28، الکہف 73، 80، 82، الطور 24)⁽⁴⁾ ان میں سے آٹھ مقامات (آل عمران، حجر، مریم 7، 8، 19، 21؛ الصفت، الذریات) پر لفظ غلام بیٹے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور چار مقامات (یوسف 19، الکہف 73، 8، 12) پر بمعنی لڑکا آیا ہے جبکہ ایک مقام ایسا ہے جہاں غلام ہی کے معنوں میں لایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: اور ان کے غلام (خدمت گار لڑکے) ان کے گرد پھریں گے گویا وہ موتی ہیں چھپا کر رکھے گئے۔⁽⁵⁾

اس آیت میں لفظ غلمان استعمال ہوا ہے جس سے مراد ایسے غلام (لڑکے) ہیں جو جنت میں اہل جنت کی خدمت پر اللہ کی طرف سے مقرر کیے گئے ہوں گے۔ مولانا احمد رضا بریلوی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ غلمان

¹ - محمد شفیع، مفتی، مولانا، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی 14، طبع جدید مئی 1997ء، 8:24

² - اعجاز اللغات، ادارہ تصنیف و تالیف سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور، طبع اول، 1998ء، ص: 532

³ - اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول 1982ء، 16:551

⁴ - فواد، محمد، عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، دار الکتب المصریہ، 1366ھ، ص

504 :

⁵ - الطور 24:52

سے مراد ایسے لڑکے ہیں جنہیں کوئی ہاتھ نہ لگا ہو⁽¹⁾ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اور ان کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے آئیں گے جو صفائی اور خوبصورتی میں حفاظت کے ساتھ رکھے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے۔⁽²⁾ جس طرح قرآن کریم میں لفظ غلام متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے اسی طرح احادیث نبویہ میں بھی کئی مفاہیم کے لیے آیا ہے جیسے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب وہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا جو شاید پیچھے رہ گیا تھا اور آپ کے بعد آن پہنچا۔ اسے دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے ابو ہریرہ سے فرمایا:

"يا أبا هريرة هذا غلامك آتاك."

”اے ابو ہریرہ یہ تیرا غلام حاضر ہے۔“⁽³⁾

اس حدیث میں آپؐ نے عبد کی جگہ غلام کا لفظ استعمال فرمایا یہاں پر اس کا معنی غلام مجازی نکل رہا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث جو کہ عمر بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے اس میں الفاظ ہیں:

من ضرب غلاماً له حداً لم ياته او لطمه فان كفارته ان يعتقه.⁽⁴⁾

اس حدیث میں بھی لفظ 'غلام' مجازی غلام کے لیے آیا ہے۔ عمر بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ:

كنت غلاماً في حجر النبي ﷺ وكانت يدي تطيش في الصحيفة فقال لي:

¹ - بریلوی، احمد رضا، مولانا، کنز الایمان، حافظ کمپنی الوہاب مارکیٹ اردو بازار لاہور، س۔ن، ص: 588

² - ابن عباس، عبداللہ بن عباس، تفسیر ابن عباس مع لباب النقول فی اسباب النزول، مترجم: عابد الرحمن صدیقی کاندھلوی، کلام کمپنی مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر 1، 3: 272

³ - البخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، امام، صحیح بخاری، مکتبہ دارالسلام، لاہور 1999ء، کتاب

العتق، باب اذا قال لعبده هو لله و نوى العتق والاشهاد بالعتق، رقم الحديث: 2530

⁴ - مسلم، مسلم بن حجاج، ابو الحسن، القشیری، امام، صحیح مسلم، مکتبہ دارالسلام،

لاہور 1999ء، کتاب الایمان، باب اذا قال لعبده هو لله و نوى العتق والاشهاد بالعتق، رقم

الحديث: 4299

یا غلام! سم الله، وکل بیمینک، وکل ممایلک^۱۔

”میں لڑکا (بچہ) تھار رسول کریم ﷺ کی گود میں تو میرا ہاتھ (کھاتے وقت) پیالے کے چاروں طرف گھومتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے، اللہ کا نام لے، داہنے ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔“

اس حدیث میں لفظ 'غلام' لڑکا کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ اس میں 'غلام' لفظ دوم مرتبہ آیا ہے پہلا خود عمر ابن ابی لیلیٰ نے اپنے لیے کہا جبکہ دوسری مرتبہ جو آیا ہے وہ آپ ﷺ نے ان کے لیے فرمایا اور دونوں ایک ہی مطلب "لڑکا" کے لیے آئے ہیں۔ اس مفہوم کی مزید وضاحت ایک اور حدیث میں اس طرح ہو رہی ہے:

عن عبد الرحمن ابی لیلی عن عبد الله بن عکیم قال قرئ علينا کتاب رسول الله بأرض جهينة وانا غلامٌ شابٌ: "ان لاتستمتعوا من الميتة باهاب ولا عصب"^۲

”رسول اللہ کا خط جہینہ قبیلے کے علاقے میں ہمارے سامنے پڑھا گیا اس وقت میں نوجوان لڑکا تھا اس میں لکھا تھا کہ مردار جانور سے نفع نہ اٹھاؤ، نہ اس کی کھال سے اور نہ اس کے گوشت سے۔“

اس حدیث میں غلام کے ساتھ شاب کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے عین شباب میں۔ یہاں پر چونکہ نوجوان کے مفہوم کے لیے شاب کا لفظ آچکا ہے۔ اس لیے غلام کا مطلب ہو گا لڑکا اور ملا کر پڑھیں گے تو مطلوب ہوا نوجوان لڑکا۔ جبکہ ابن ابی لیلیٰ والی حدیث میں یہ دونوں مفہوم ایک ہی لفظ 'غلام' سے ادا ہو رہے ہیں۔ بالکل یہی انداز عمرو بن سلمہ کی روایت میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ:

عن عمرو بن سلمة قال: كنا بحاضر يمر بنا الناس اذا أتوا النبي ﷺ فكانوا

^۱ - ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابو عبد اللہ، القزوينی، امام، سنن ابن ماجہ، مکتبۃ دارالسلام للنشر والتوزیع، طبع اول، 1420، 1999ء، ابواب الاطعمۃ، رقم الحدیث: 3247

^۲ - ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق، الزدی، حافظ، امام، سنن ابی داؤد، مکتبۃ دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، کتاب اللباس، باب من روی ان لا يستمتع باهاب الميتة، رقم الحدیث: 4127

إذا رجعوا مرو بنا فاخبرونا ان رسول الله قال، كذا و كذا- وكنت غلاماً حافظاً⁽¹⁾

”ہم ایسے مقام پر تھے جہاں لوگ آتے جاتے ٹھہرتے تھے تو جب وہ رسول اللہ کے پاس سے ہو کر آتے اور ہم سے بیان کرتے کہ رسول اللہ نے ایسا اور ایسا فرمایا تو میں اس زمانے میں لڑکا تھا اچھے حافظے والا تو میں نے بہت سا قرآن یاد کر لیا۔“

گویا غلام کی سادہ الفاظ میں اس طرح تعریف کی جاسکتی ہے کہ ایسا شخص جو اپنی ذات پر اختیار نہ رکھتا ہو بلکہ اس کی زندگی کے تمام معاملات کسی ایسی ذات کے تابع ہوں جسے وہ دل سے یا صرف زبان سے بڑا، طاقت ور، اور مختار کل تسلیم کرتا ہو اور اس کے سامنے خود کو چھوٹا، کمزور اور بے اختیار جانتے ہوئے اس کے سامنے جھکتا ہو۔ ماضی میں غلامی مختلف اقوام میں ایک معاشرتی رواج کے طور پر رائج رہی ہے۔ رسم و رواج کسی بھی معاشرے کا اہم جزو ہوتے ہیں اور اسلام کے اجتہادی قوانین کا بھی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان معاشروں میں غلامی کو ایک عمومی حیثیت حاصل تھی اور دیگر رسم و رواج کی طرح یہ بھی تمام معاشروں میں رائج رہی ہے۔ شخصی غلامی میں ایک انسان اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کے سامنے جھک جاتا ہے خود کو مکمل طور پر اس کے اختیار میں دے کر اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ بعض لوگ تعبدی اقوال و اعمال کو بھی شامل کر لیتے ہیں جو صرف معبود حقیقی کا حق ہیں یہی درحقیقت شرک ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا اور ناقابل معافی جرم ہے⁽²⁾ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾⁽³⁾

”بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔“

غلامی کا آغاز و اسباب

ابتدائی زمانے میں قبیلوں میں انسانی مساوات کا احساس نہ تھا۔ ایک قوم دوسری قوم سے یا ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے جنگ کرتا تھا۔ اس طرح جو قوم یا قبیلہ فاتح ہوتا وہ مفتوح قوم کی عورتوں، مردوں اور بچوں کا یا تو قتل عام

¹ - سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة، رقم الحديث: 585

² - احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ندوة المصنفین قروں باغ نئی دہلی، سن، 1: 7

³ - لقمان 13: 31

کرتا یا غلام بنا کر قید کر لیتا اور ان سے اپنی خدمت کا کام لیتا۔ ایسے انسان غلام اور لونڈیاں کہلاتے۔ بہر حال فاتح قبیلے کو یہ اختیار ہوتا کہ وہ جس طرح چاہے مفتوح کو اپنے آرام و آسائش کے لیے استعمال کرے اس کی خواہش ہو تو مغلوب کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس کو قیدی بنا کر رکھے۔⁽¹⁾

کئی قوموں میں یہ رواج تھا کہ مفتوح قوم یا قبیلے کے مرد قتل کر دیئے جاتے اور بچوں اور عورتوں کو زندہ رکھ کر اپنے گھروں میں ان سے کام لیتے۔⁽²⁾

مشہور عالم نیبور (Niebore) غلامی کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انسان کو جانور پالنے کی عادت ہوتی ہے اسی عادت نے بڑھتے بڑھتے انسانوں کو پالنے کی عادت کی شکل اختیار کر لی اور اس کو غلامی کہا جانے لگا⁽³⁾ ایک مشہور ماہر عمرانیات ہاب ہاؤس (Hobbe House) غلامی کے آغاز و اسباب کے بارے میں کہتے ہیں کہ جس زمانے میں تہذیب و تمدن کا پتہ نہ تھا اور انسانی طبائع پر وحشت و بربریت غالب تھی فاتح قوم یا قبیلہ مفتوح قوم یا قبیلے کے جنگی قیدیوں کو غیظ و غضب میں قتل ہی کر دیتا۔ لیکن پھر جب لوگوں کی اقتصادی اور معاشرتی ضرورتیں وسیع ہوئیں اور ان کو بلا معاوضہ مزدوری کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت انہوں نے اس امر پر غور کیا ہو گا کہ جنگ کے قیدیوں کو قتل کرنے کی بجائے اگر زندہ رکھا جائے تو ان سے کئی معاشرتی و اقتصادی فائدے حاصل کیے جاسکتے ہیں⁽⁴⁾ ایک اور مشہور ماہر عمرانیات مسٹر این اے گلبرٹسن اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک انسان کی دوسرے انسان پر برتری قائم کرنے کے جذبے نے غلامی کو جنم دیا۔⁽⁵⁾

اب ہم غلامی کی مختصر تاریخ اور قبل از اسلام مذاہب میں اس کے ذکر پر کچھ روشنی ڈالیں گے:

ہندومت میں غلامی کا تصور

ہندومت چار انسانی طبقات پر مشتمل ہے: برہمن، کھشتری، ویش اور شودر۔ ان چاروں میں اعلیٰ ترین طبقہ تو برہمن ہے جبکہ انتہائی حقیر اور پست ترین طبقہ شودر ہے۔ دوسرے لفظوں میں شودر مذہبی لحاظ سے پہلے تینوں طبقوں کا غلام طبقہ ہے اور ہندی تعلیمات کی رو سے اس پر یہ فرض ہے کہ وہ پہلے تینوں طبقوں کا ہمیشہ خدمت گزار

¹۔ اشرف آغا، اسلام اور غلامی، نذیر سنز پبلیشرز 40۔ اے اردو بازار لاہور، 1987، ص 7 تا 9

²۔ کتاب مقدس: سفر 1: 31-34

³۔ احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: 10

⁴۔ اسلام اور غلامی، ص: 8

⁵۔ ایضاً، ص: 10

رہے۔⁽¹⁾ دھرم سوتر میں شودر کے بارے میں کچھ معلومات ملتی ہیں۔ گوتم یہ قرار دیتا ہے کہ شودر نوکروں کو اونچے ورن کے لوگوں کے استعمال شدہ جوتے، چھتریاں، کپڑے اور چٹائیاں استعمال کرنی چاہئیں۔ گوتم کا یہ بھی قول ہے کہ بچا ہوا کھانا شودر نوکروں کے لیے ہے۔⁽²⁾ ہندی مذہب کی اس طبقاتی تقسیم سے بخوبی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ مذہب غلامی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی قوانین کی رو سے شودروں کے لیے جو دفعات تھیں ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:-

1. برہمن کے لیے جائز ہے کہ وہ شودروں کو اپنی خدمت پر مجبور کرے خواہ اس نے اس کو خرید اہو یا نہ خرید اہو۔

2. برہمن اگر کسی شودر کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے کہ شودر کو مال کا تاوان دے۔ لیکن یہی جرم اگر شودر کرے تو اسے زندہ جلادیا جائے۔

3. شودر اگر برہمن کو گالی دے تو اس کے منہ اور کانوں میں کھولتا ہوا تیل ڈال دیا جائے۔⁽³⁾ سنسکرت کی تمام مذہبی کتابوں میں غلامی کا ذکر موجود ہے۔ منوجی کی منوسمرتی کے مطابق غلاموں کی آٹھ اقسام ہیں جیسے جنگ میں گرفتار ہونا، نان و نفقہ کے لیے برضا و رغبت اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں دے دینا، کسی لونڈی کے بطن سے پیدا ہونا، زر خرید غلام، بطور ہبہ یا تحفہ کے حاصل کرنا، وراثتاً پانا، سزا کے طور پر غلام بنا لینا، بھگت یعنی اونچی ذات کے ہندو کا خادم۔ ناروجی نے غلامی کی پندرہ اقسام گنوائی ہیں جن میں سے آٹھ یہی ہیں باقی میں سے اہم ترین قمار بازی میں ہار کر اور قرض ادا نہ کر سکنے کی صورت میں غلامی اختیار کرنا شامل ہیں۔⁽⁴⁾ غلاموں کے اندر پھر ان کے کام کی نوعیت سے ہندو دھرم نے تقسیم کر رکھی تھی۔ ایک تو وہ تھے جو گھریلو امور سر انجام دیتے جبکہ دوسری قسم ان غلاموں کی تھی جو غلیظ اور گندے کاموں کے لیے وقف تھے مثلاً اپنے آقا کو حالت برہنگی میں کپڑے پہنانا اور دیگر ایسے کام۔ قدیم ہندو قانون یہ بھی تھا کہ والدین اپنے بچوں کو فروخت کر

¹ مطالعہ مذاہب عالم، ص: 160

² شرما، رام شرما، ڈاکٹر، شودر قدیم ہندوستان میں نچلے طبقوں کی حیثیت، مترجم جمال محمد صدیقی، کوئینز روڈ پبلیشنگ گراؤنڈ لاہور،

ص: 16

³ احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: 27

⁴ مطالعہ مذاہب عالم، ص: 37

سکتے تھے یا بطور بخشش کسی کی غلامی میں بھی دے سکتے تھے۔⁽¹⁾

یہودیت میں غلامی کا تصور

دنیا کے رائج الوقت مذاہب میں سے ایک اہم ترین مذہب یہودیت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے۔ اس مذہب میں غلامی کی حقیقت و حیثیت پر گفتگو پیش خدمت ہے۔ تالمود کی رو سے یہودیوں میں غلامی کا عام رواج تھا۔ وہ خود بھی مصر میں رامسیس ثانی کے صدیوں تک غلام رہ چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرعون کی غلامی سے نکالا پھر ان کو بخت نصر بابل کے بادشاہ نے غلام بنالیا۔ توریت یہودیوں کی سب سے بڑی مذہبی کتاب ہے اس میں یہودیوں (عبرانیوں) کو غلام بنانے اور غلاموں کو آقا کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسرائیلی غلام چھ برس تک خدمت بجالانے کے بعد آزاد ہو جاتا لیکن غیر اسرائیلی غلام کی غلامی دائمی ہوتی⁽²⁾

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری اقوام کی نسبت یہودیوں کے ہاں غلاموں کے حقوق زیادہ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں غلامی کی مدت سات برس تھی اس کے بعد وہ آزاد ہو جاتا۔ بعض عبرانی تو اپنی باندیوں کو بیوی بنا لیتے تھے اور پھر ان کو اپنے گھر کی ملکہ بنا کر رکھتے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بعض غلاموں کا نکاح ان کے آقاؤں کی بیٹیوں سے بھی ہو جاتا تھا۔ یہودی مذہب میں غلاموں کے لیے جو حقوق اور رعایتیں تھیں وہ اسلام سے بہت ملتی جلتی ہیں۔

1. اگر کوئی شخص اپنے غیر یہودی غلام کے ساتھ برامعاملہ کرے گا تو اس کو مجبوراً غلام آزاد کرنا ہوگا۔
2. اگر آقا غلام آزاد کرنے کا منشاء زبانی طور پر ظاہر کرتا ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور مالک اپنے الفاظ واپس نہ لے سکے گا۔

3. اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب قانون یہ تھا کہ اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی کسی آزاد عورت سے کرادی یا اس کے سر پر کوئی تعویذ رکھ دیا، یا مذہبی کتابوں میں سے کسی کتاب کی تین آیتیں ایک مجمع کے سامنے پڑھنے کا حکم دیا، یا اس کو کسی ایسے کام کے کرنے کا حکم دیا جو صرف آزاد لوگوں کے لیے ہی مخصوص ہیں تو ان تمام صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کا آقا مجبور ہوگا کہ اس کو پروانہ

¹۔ احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: 27

²۔ اسلام اور غلامی، ص: 25

آزادی لکھ کر اور اپنے دستخط ثبت کر کے دے۔⁽¹⁾

مندرجہ بالا بحث اور اس طرح کے دوسرے قوانین و ضوابط سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہودی غلاموں کے ساتھ کس قدر نرم اور قابل رشک معاملہ کرتے تھے وہاں یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ غلاموں کو کس قدر پست اور ذلیل تصور کرتے تھے کہ غلام بحیثیت غلام ہونے کے نہ تو اس قابل تھا کہ وہ کسی شریف عورت سے نکاح کر سکے، نہ اس لائق تھا کہ مذہبی مجمع کے سامنے مذہبی کتاب کی تین آیتیں تلاوت کر سکے اور نہ ہی اس بات کا حق دار تھا کہ اس کے سر پر ازراہ شفقت و محبت کوئی تعویذ اس کا آقا اپنے ہاتھ سے رکھ دے۔

عیسائیت میں غلامی کا تصور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ان کے نام کی مناسبت سے عیسائی کہلائے۔ عیسائی برادری بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی فرقوں میں بٹ گئی اور مختلف فرقے اپنے مفاد والے بیانات کو الگ کر کے اپنے حق میں دلیل کے طور پر پیش کرنے لگے۔ غلامی کے بارے میں مسیحی برادری کے متعلق مسٹر ایل۔ ڈی۔ آگیٹ (LD Agate) لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں غلامی کی صاف طور پر مذمت کہیں بھی نہیں کی گئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غلامی کا مخالف گروہ اپنی تائید میں انجیل کی کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف غلامی کا حامی گروہ اپنی تائید میں انجیل کے اصل متن (Scripture) سے استدلال کر سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھ کر ایسی تعلیمات دی ہیں جو عیسائی گرجا اور تاریخ کے دور میں خود بخود حالات کے مطابق ہیں۔ ان میں انہوں نے اس کے بھاگے ہوئے غلام اونیسیمس (Onisemus) کو حکم دیا ہے کہ پھر اپنے آقا کے پاس واپس چلا جائے۔ سینٹ پال اپنے پیام میں فائل میں سے درخواست کرتا ہے کہ اونیسیمس کا گناہ معاف کر دینا چاہیے لیکن نفس غلامی کی مذمت انہوں نے کہیں نہیں کی۔

انجیل مقدس میں کسی جگہ بھی غلامی کے خلاف کوئی حکم مذکور نہیں اور نہ ہی غلاموں کے ساتھ حسن معاشرت پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس غلاموں کو جگہ جگہ تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کریں اور ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ کے ایک دوسرے حواری پطرس نے بھی غلاموں کو وصیت کی ہے کہ انہیں چاہیے ہر وقت اپنے آقاؤں کے اطاعت گزار و فرمانبردار بنے رہیں۔⁽²⁾ مسیحی علماء غلامی

¹۔ احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: 25

²۔ کتاب مقدس، پطرس کا پہلا عام خط: 1-18

کو انسانی مساوات اور عدل کے خلاف سمجھنے کے بجائے اسے انسانی طبیعت کا تقاضا خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ ان میں بعض افراد احرار ہوں اور بعض غلام۔ غلاموں کے ساتھ عیسائی قوم کا معاملہ اچھا نہیں تھا۔ بازاروں میں ان کی کھلم کھلا تجارت کرتے تھے اور دیگر بازاری چیزوں کی طرح خرید و فروخت کرتے تھے۔ مختلف شہروں میں ان کے باقاعدہ بازار قائم تھے۔ زمین میں ان سے کاشت کاری کرواتے، سخت سے سخت کام لیتے، چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر بری طرح زد و کوب کرتے اور سنگین سزائیں دیتے تھے۔⁽¹⁾

عہد نامہ متین و جدید کی نصوص سے غلامی کا ثبوت

یہ امر کہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت سے پہلے جو شریعتیں تھیں ان میں بھی غلامی مشروع تھی اور جو کتابیں ان شرائع کی جانب منسوب کی جاتی ہیں ان میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس بیان کی تصدیق کے لیے تو ریت کی بکثرت آیتیں جو اپنے مخالفوں کے غلام بنالینے پر دلالت کرتی ہیں ملتی ہیں۔ کتاب استثناء میں ہے: اور جب تو کسی قریہ کے پاس اس سے مقابلہ کرنے کو جائے تو پہلے اس کو صلح کی طرف بلا۔ پس اگر وہ قبول کر لے اور تیرے لیے دروازے کھول دے تو جتنے فرقے اس میں ہوں گے وہ اخلاص کریں گے، تیرے غلام بنیں گے اور تجھے جزیہ دیں گے۔⁽²⁾ اور سفر عدد سے ماخوذ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بارہ ہزار آدمیوں کو اہل مدین کے محاربہ کے لیے بھیجا تھا تو ان پر وہ غالب آئے تھے اور ان میں سے سارے مردوں اور پانچ بادشاہوں کو قتل کر ڈالا تھا اور ان کی عورتوں، بچوں اور مولیشی سب کے سب کو گرفتار کر لیا تھا اور قریوں، دیہاتوں اور شہروں کو آگ سے جلا ڈالا تھا۔ پھر جب وہ لوگ واپس آئے تو موسیٰ علیہ السلام غضب ناک ہوئے اور کہنے لگے کہ تم نے عورتوں کو کیوں زندہ رہنے دیا؟ پھر ہر لڑکے (مذکر بچے) اور ہر شوہر دیدہ عورت کو قتل کرنے اور کنواری لڑکیوں کے باقی رکھنے کا حکم دیا۔ پس ان لوگوں نے ویسا ہی کیا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا اور غنیمت میں چھ لاکھ بچے ہزار بکریاں، بہتر ہزار گائیں، اکسٹھ ہزار گدھے، بتیس ہزار کنواری لڑکیاں تھیں۔⁽³⁾

پس یہ آیت اس شریعت میں دشمنوں کے یہاں تک کہ لڑکوں اور شوہر دیدہ عورتوں کے قتل کے جائز ہونے پر دلالت کرنے کے ساتھ ہی غیر شوہر دیدہ عورتوں کے لونڈی بنالینے پر بھی دلالت کرتی ہے۔ سفر سموئیل میں

¹۔ احمد، سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: 19

²۔ کتاب مقدس: استثناء، 10: 20-11

³۔ کتاب مقدس: سفر 1: 31-35

ہے کہ مواب کے رہنے والے داؤد علیہ السلام کے غلام تھے اور ان کو خراج دیتے تھے۔⁽¹⁾ تیمتھس کی جانب پولس کے پہلے خط کے چھٹے باب میں تصریح موجود ہے کہ وہ تمام لوگ جو غلام ہیں راہ روشن کے نشان کے نیچے ہیں۔ پس انہیں چاہیے کہ اپنے سرداروں کو پورے اکرام کا مستحق سمجھیں تاکہ خدا کے نام اور اس کی تعلیم پر بہتان نہ باندھا جائے اور جن کے سردار مسلمان ہیں وہ ان کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھائی ہیں بلکہ ان کی بہت زیادہ خدمت کریں اس لیے کہ جو فائدے میں شرکت رکھتے ہیں وہ فرمانبردار اور پیارے لوگ ہیں۔ پس اسی کی تعلیم دے اور اسی کا وعظ کہہ۔⁽²⁾

اس نص سے شریعت عیسوی میں غلامی کا ثابت و برقرار رہنا سمجھا جاتا ہے۔ اگر ان کے مالکوں کو ان کا غلام بنا لینا اس شریعت میں مشروع نہ ہوتا تو ان کو ان کی اطاعت و خدمت کا ہر گز حکم نہ دیا جاتا اس لیے کہ شرائع سے جو بات معلوم ہوتی ہے اس کے مکلف کو ایسی چیز کے کرنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا جو خدا تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہو۔ اس سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ان پر اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے۔ اس کی اس امر کے ساتھ تخصیص کر دی گئی ہے کہ وہ ان کو حقیر نہ سمجھیں۔ اور پطرس کے پہلے عام خط کے پہلے ہی باب میں یہ تصریح موجود ہے کہ: اور غلام اپنے مالکوں سے پستی سے پیش آئیں، ان کو تمام چیزوں میں راضی رکھیں، ان کے خلاف کوئی بات نہ کہیں، ان کے ساتھ اچکا پن نہ کریں بلکہ پوری پوری نیکی کے ساتھ امانت سے پیش آتے رہیں تاکہ وہ ہمارے مخلص یعنی اللہ کی تعلیم کو تمام امور میں مزین کریں⁽³⁾ اس نص کے مطابق غلاموں کے ذمہ اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے یہاں تک کہ ایسے امر میں بھی کہ وہ خدا کی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو مثلاً جب مالک اپنے غلام کو زنا کا حکم کرے۔ لیکن شریعت محمدیہ ﷺ میں اپنے مالک کی ایسے امر میں اطاعت کرنا غلام پر واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ قاعدہ ہے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔⁽⁴⁾ مگر یہ کہ اس پر جبر و زبردستی کی جائے اور اسے قتل وغیرہ کی دھمکی دی جائے تو اس وقت اس بارہ میں اس کا حکم غیر مملوک اشخاص کا سا ہے یعنی اگر ان پر زبردستی کی جائے تو گناہ زبردستی کی وجہ سے ان کے لیے مباح ہو جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مگر یہ کہ

¹۔ کتاب مقدس، پولس کا پہلا عام خط 1:6-2

²۔ کتاب مقدس، پطرس کا پہلا عام خط، 1:18-24

³۔ اشعراء 26:151

⁴۔ النحل 16:106

کسی کو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔⁽¹⁾ اور پطرس کے مذکورہ پہلے خط میں یہ تصریح بھی ہے کہ اسے خادمہ! پوری ہیبت کے ساتھ اپنے مالکوں کے لیے پست ہو جاؤ۔ نہ فقط نیک اور نرمی کرنے والوں ہی کے لیے بلکہ سختی سے پیش آنے والوں کے لیے بھی۔⁽²⁾ اس نص میں اگرچہ لفظ کے اعتبار سے غلاموں کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ غلاموں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ قول مالکوں کے لیے اس امر کو معین کرتا ہے کہ غلاموں سے غلام ہی مراد ہیں اور اس نص میں اطاعت واجب کی گئی ہے یہاں تک کہ سختی سے پیش آنے والوں کے لیے بھی۔

پس جب اس قوم کے لیے جو شریعت محمدیہ ﷺ پر غلامی کے بارہ میں اعتراض کرتی تھی امور مذکورۃ الصدر ظاہر ہوئے اور ان کی اس شریعت (شریعت محمدیہ ﷺ) میں غلامی کے مشروع ہونے کی حکمت، اس کے حدود اور شریعت کی وہ عنایتیں اور رعایتیں جو اس نے غلاموں کے ساتھ مد نظر رکھی ہیں معلوم ہوئیں جن کی وجہ سے غلاموں کی راحت محفوظ رہتی ہے بلکہ کبھی کبھی ان کو نعمتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں اور جو ان کی غلامی کی مدت کی کمی کا باعث ہو جاتی ہیں، کا علم ہوا اور انہوں نے موسوی و عیسوی شریعت کی ان نصوص میں بھی غور کیا جو غلامی کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ غلامی ان دونوں شریعتوں میں موجود تھی تو اس وقت وہ کہنے لگے کہ شریعت محمدیہ ﷺ پر اس بارے میں کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ عدل کے موافق حکم ہے اس میں دوسروں میں سے ادنیٰ درجہ کا ضرر اختیار کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ عقل کے موافق ہے اور اس میں شفقت، رحمت اور انسانیت کی حتی الامکان رعایت مد نظر رکھی گئی ہے اور اس میں ضرورت کو اسی کے انداز پر رکھا گیا ہے۔⁽³⁾

قبل از اسلام سرزمین عرب میں غلامی کا رواج

جاہلیت کے زمانے میں عرب میں بالکل یہودیوں کی سی غلامی کا رواج تھا کیونکہ تیرہ سو قبل مسیح جب یہودی عرب میں داخل ہوئے تو وہ اپنے رسم و رواج ساتھ لائے اور وہی رواج اہل عرب نے اختیار کر لیے۔ انہی میں سے ایک غلامی کا رواج بھی تھا۔ یہودیوں میں غلاموں کی خرید و فروخت مذہبی طور پر جائز تھی۔ جاہلیت کے دوران اہل عرب میں بھی یہی دستور تھا۔ اس دور میں عرب میں کسی شریف عورت کا گھر غلاموں سے خالی نہ تھا۔ یہ غلام آقا کی خدمت بجالاتے تھے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ کے بہت سے غلام تھے جو کہ حبشی تھے جن میں سے اکثر حربی

¹ - کتاب مقدس، پطرس کا پہلا عام خط، 2:4

² - اسحاق علی، محمد، سید، اسلام اور سائنس مترجم، ادارہ اسلامیات، لاہور 1984ء، ص: 511

³ - ایضاً

خدمات انجام دیتے تھے یعنی آقا کے دشمن قبیلہ سے جنگ کرنا۔ مال غنیمت میں غلام کو حصہ نہ ملتا تھا بلکہ وہ حصہ اس کے مالک کا ہوتا۔ لڑائی میں قید ہونے والوں کو بھی غلام تصور کیا جاتا۔ عبداللہ بن جدعان یتیمی جو حرب فجار میں قریش کا رئیس تھا، غلاموں کی تجارت کا ملک التجار تھا۔

جاہلیت میں عرب ایک دوسرے کو تحفے کے طور پر بھی غلام دیتے تھے جو دوسری چیزوں کی طرح ترکے میں وارثوں کو پہنچتے تھے۔ ابو لہب اور عاص بن ہشام نے جواء کھیلا شرط یہ تھی کہ جو ہار جائے جیتنے والے کا غلام بن جائے عاص ہار گیا اور ابو لہب کا غلام بن گیا۔ بشار بن عبد مشہور اسلامی شاعر اور اس کی ماں قبیلہ ازد کے ایک شخص کے غلام تھے اس شخص کی بنی عقیل میں شادی ہوئی تو بشار کی ماں کو مہر میں دے دیا گیا۔ دور جاہلیت میں اگر کوئی عرب غلام خریدتا تو اس کی گردن میں رسی ڈال کر اسے گھر لے جاتا تھا۔⁽¹⁾ زمانہ جاہلیت میں عرب غلاموں کی چھ اقسام تھیں۔

1- جنگ میں قید ہو کر آنے والے غلام

2- خریدے ہوئے غلام

3- قمار بازی میں ہارنے پر غلامی قبول کرنے والے

4- قرض ادا نہ کر سکنے والے

5- وہ غلام جو اراضی کاشت کرتے تھے اور اراضی کے بک جانے کیساتھ ہی بک جاتے۔ روم کی قدیم سلطنتوں میں ان غلاموں کو سراف بھی کہا جاتا تھا۔

6- ایک اور قسم کے غلام جن کا ذکر دور جاہلیت کے عربی غلاموں کی تاریخ میں آتا ہے، موالی کہلاتے تھے۔ یہودی مدینہ میں یمن کے عربوں اوس اور خزرج کے وطن اختیار کرنے سے پہلے مقیم تھے۔ جب اوس و خزرج کے امیر مالک بن عجلان نے شام کے شاہ غسان کی مدد سے مدینہ کے یہودیوں کو تنگ کرنا شروع کیا تو وہ اوس و خزرج کے موالی بن گئے اور حضور ﷺ کے زمانے تک موالی رہے۔ موالی کی متعدد اقسام تھیں مثلاً موالی العتاقہ، موالی العقد، موالی النعمۃ، موالی الرحم وغیرہ۔⁽²⁾

دین اسلام میں غلامی کا جواز

اسلام کا سب سے بڑا مستند اور جامع دستور العمل قرآن کریم ہے۔ لہذا سب سے پہلے اسی میں غلامی کے جواز

¹ - احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت ص: 109

² - ایضاً

وعدم جو از کا جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر غلاموں کا ذکر آیا ہے⁽¹⁾ انہیں آزاد کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق بھی ارشادات ملتے ہیں لیکن کہیں بھی غلام بنانے کا ذکر نہیں ملتا۔ ہاں البتہ ایک جگہ جنگی قیدیوں کا ذکر ملتا ہے لیکن اس سے بھی یہ مراد نہیں ہے کہ انہیں غلام بنائیں اور ویسا برتاؤ کریں جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

”کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون نہ بہا لے۔“⁽²⁾

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا اس آیت کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ غزوہ بدر کے قیدیوں کے متعلق نازل ہوئی جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ کو رد کر کے حضرت ابو بکرؓ کی رائے پر عمل فرمایا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ان سب قیدیوں کو قتل کر ڈالنے کو کہا تھا جسے آپ ﷺ کی نرم خوبصورتی نے گوارہ نہیں کیا۔ جبکہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے یہ تھی کہ جو فدیہ ادا کر سکتے ہیں وہ فدیہ دے دیں اور جو پڑھے لکھے ہیں وہ مسلمانوں کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے عوض آزاد کر دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہرگز نہ تھی کہ قیدیوں کو غلام سمجھ کر نفرت و حقارت کی وجہ سے انہیں جان سے ہی مار دو بلکہ یہ مصلحت کار فرما تھی کہ جب تک نبی کو زمین پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے اس کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے پاس قیدیوں کو زندہ رکھے۔⁽³⁾ لیکن جب اسلام غالب دین بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو ان کو تو مضبوط باندھ لو قید کر کے یا احسان کرو یا معاوضہ لو جب تک کہ وہ رکھ دیں لڑائی سے ہتھیار۔“⁽⁴⁾

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں: اول یہ کہ جب قتال کے ذریعے کفار پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اب بجائے انہیں قتل کرنے کے انہیں قید کر لیا جائے۔ پھر ان قیدیوں کو یا تو احسان کرتے ہوئے بغیر فدیہ چھوڑ دیا جائے یا معاوضہ لے کر۔ یعنی مسلمانوں کے حالات و ضروریات کے مطابق امام المسلمین کو یہ اختیار ہے کہ ان میں سے جو

¹ - المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم ، دار الکتب المصریۃ، 1945ء، ص : 504

² - الانفال 67:8

³ - مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، چودھواں ایڈیشن دسمبر 1980ء، 2: 159

⁴ - محمد 4:47

چاہے صورت اختیار کر لے۔⁽¹⁾

قطع نظر اس سے کہ مسلم اور غیر مسلم غلاموں میں کبھی کبھی تمیز روا رکھی گئی ہے، فقہ اسلامی غلاموں کی صرف ایک ہی قسم کو تسلیم کرتی ہے بلا لحاظ اس کے کہ یہ غلام کس نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی غلامی کا سبب کیا ہے۔ دستور غلامی صرف دو ذریعوں کے سبب زندہ ہے اولاً یہ کہ کوئی پیدا انثی غلام ہو، ثانیاً یہ کہ کوئی جنگی قیدی ہو۔ ان میں سے بھی موخر الذکر کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ مسلمان غلامی کی حالت میں تو رہ سکتا ہے لیکن غلام بنایا نہیں جاسکتا۔ لہذا قانوناً مسلمان غلام صرف وہ ہیں جو ان دو حالتوں میں پیدا ہوئے یا جو اسلام لانے سے پہلے غلام تھے۔

مسلمانوں میں ہمیشہ غلاموں کی تعداد کم کرنے کے رجحانات موجود رہے ہیں اول تحریر یعنی آزاد کرنے سے، دوم فطرت انسانی کا لحاظ کرتے ہوئے۔ چونکہ شریعت اسلام کے مطابق ہر بچہ پیدائش کے وقت عموماً مال کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے چاہے وہ غلام ہو یا آزاد۔ ہاں مگر اس قانون میں ایک استثناء موجود ہے جس کی اہمیت اس کی ہمہ گیری کے سبب اور بڑھ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر باپ آزاد اور ماں مملوکہ لوٹتی ہو تو بچہ آزاد سمجھا جائے گا کیونکہ بہر حال بچہ اپنے باپ سے پہچانا جاتا ہے اور اگر اس بچے کو پیدائشی غلام تصور کر بھی لیا جائے تو کس کا؟ اپنے باپ کا یا ماں کا؟ یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں تو یقیناً بچہ آزاد ہے۔ مجموعی طور پر یہ امر باعث مسرت ہے کہ فقہاء غلامی کو ایک مستثنیٰ حالت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کی اصل آزادی ہے۔ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ لقیط (وہ بچہ جو کہیں پڑا ملے) جس کی اصل نسل معلوم نہ ہو سکے تو وہ بچہ آزاد ہی سمجھا جائے گا۔⁽²⁾ بہر حال غلامی کی اس ایک صورت کے علاوہ باقی تمام کو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے اور ان کی مذمت کی ہے اور ان کے خاتمے کے لیے مؤثر اقدام کیے ہیں۔

دین اسلام میں غلاموں کے حقوق و مراعات

دین اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے حقوق العباد میں والدین، رشتہ دار، دوست احباب اور دوسرے تمام متعلقین کے ساتھ ساتھ بڑے ہی واضح اور قطعی انداز میں غلاموں کے حقوق بھی مقرر کر دیے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جس طرح انسان دوسرے تمام حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں گنہگار ہو گا ویسے ہی غلاموں کے بارے میں بھی اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔ اسلام نے غلاموں کو جن حقوق سے سرفراز کیا ان کا مختصر جائزہ درج ذیل

¹ - معارف القرآن، ج 7، ص 22۔

² - اسلام اور غلامی، ص 79۔

ہے۔

1۔ دور نبوی ﷺ کے سب غزوات دفاع و تبلیغ حق کے لیے تھے نہ کہ مالِ غنیمت یا دوسری دنیاوی اغراض کے لیے۔ ان غزوات اور سرایا میں بعض اوقات فریق مخالف کے کچھ لوگ گرفتار ہو کر آتے حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ مصالحانہ برتاؤ فرماتے۔

غزوہ بدر میں کفار کے ستر کے قریب لوگ مارے گئے اور تقریباً اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ ان میں اسلام کے بہت بڑے دشمن نضر بن حارث اور عتبہ بن ابی معیط بھی تھے۔ نضر بن حارث اپنے اشعار میں حضور اکرم ﷺ کی بھوکیا کرتا تھا جبکہ عتبہ بن ابی معیط اپنی غلط حرکات سے اکثر حضور اکرم ﷺ کو اور مسلمانوں کو پریشان کیے رکھتا تھا۔ یہی شخص تھا جس نے مکہ میں حضور اکرم ﷺ کے اوپر نماز کے دوران او جھڑی ڈال دی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں کے قتل کا حکم دے دیا کیونکہ یہ امن عامہ کے لیے بہت بڑا خطرہ تھے۔ باقی قیدیوں میں سے جو فدیہ ادا کرنے کی طاقت رکھتے تھے انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جو پڑھے لکھے تھے انہیں دس دس مسلمان بچوں کو پڑھانے کے عوض آزاد کر دیا گیا اور جو ایسے تھے جو نہ فدیہ دے سکتے تھے اور نہ پڑھے لکھے تھے انہیں ویسے ہی احسان کے طور پر آزاد کر دیا گیا۔

غزوہ بنی قینقاع مدینہ کے یہودی قبیلے بنی قینقاع کی خلاف لڑا گیا۔ اس کا سبب غزوہ بدر میں یہودیوں کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ پندرہ دن کے حضور اکرم ﷺ کے محاصرے کے بعد بالآخر اس امر پر اتفاق ہوا کہ یہودی اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ نکل جائیں، ان کے تمام اسیر ان جنگ کو مسلمان رہا کر دیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس پر عمل کرتے ہوئے ان کے قیدی رہا کر دیے اور انہیں اپنے عیال کے ساتھ مدینہ چھوڑ دینے کی ہدایت کی۔ فتح مکہ کے بعد ہوازن و ثقیف کے رؤساء نے بغاوت کر دی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس بغاوت کے فروکار ارادہ فرمایا۔ لڑائی میں عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمادیا۔ چھ ہزار اشخاص گرفتار ہوئے۔ ہوازن کا ایک وفد جس کا سردار زہیر تھا اس نے آپ ﷺ سے قیدیوں کے متعلق عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ ان پر احسان فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان تمام جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ عورتیں اور بچے بھی واپس کر دیے اور ہر قیدی کو ایک قبطنی کپڑا دیا۔

غزوہ طائف میں تقریباً بیس دن تک محاصرہ رہا لیکن شہر فتح نہ ہو رہا تھا آخر کار آپ نے محاصرہ ختم فرمادیا اور یہ منادی کروادی کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر نیچے آئے گا وہ آزاد ہوگا۔ طائف کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا اور ان غلاموں کے لوٹانے کا مطالبہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوٹائے نہیں جاسکتے کیونکہ وہ خدا کے آزاد کردہ

ہیں۔⁽¹⁾

2- انسان کے لیے سب سے زیادہ قیمتی اور عزیز اس کی جان ہے مگر غیر مسلم اقوام کے نزدیک غلام کی جان جانوروں کی جان سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی وہ اگر قتل کر دیا جاتا تو کوئی قاتل سے باز پرس کرنے والا نہ تھا۔⁽²⁾ اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ اس معاملے میں اس نے آزاد اور غلام دونوں کو یکساں کر دیا لہذا جس طرح آزاد کا قاتل واجب القصاص ہے ویسے ہی غلام کا قاتل بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ان پر فرض کر دیا کہ نفس کے بدلے میں نفس ہی دیا جائے۔⁽³⁾ تم پر خون کا بدلہ خون لینا فرض کر دیا گیا ہے۔⁽⁴⁾ قرآن کریم کی یہ دونوں آیتیں مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حر کا قصاص حر اور عبد دونوں سے لیا جاسکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ عبد کا قصاص بھی حر اور عبد دونوں سے لینا جائز ہے۔ اس عمومی مفہوم ہی کی بناء پر فقہاء احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ ”یقتل الحر بالعبد والعبد بالحر“ حر کو عبد کے بدلے اور عبد کو حر کے بدلے میں قتل کر دیا جائے۔⁽⁵⁾ یہ بات آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ المسلمون تتكافأ دماءهم یعنی تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔⁽⁶⁾

3- اسلام سے قبل غلام اپنے مالک کی طرف سے جنگوں میں شرکت کرتے تھے اور ان کا مال غنیمت میں سے جو حصہ ہوتا تھا وہ ان کے مالکوں کا حصہ تصور ہوتا تھا۔ اسلام نے اس تفریق کا خاتمہ کر دیا اور مال غنیمت میں غلام کو حر کے برابر حصہ دیا کیونکہ یہی انصاف کا تقاضا ہے۔ فرمان الہی ہے: اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار بنو۔⁽⁷⁾ حضرت ابو بکر بیت المال کی تقسیم میں برابری کرتے تھے مثلاً سابقین و اولین اور اسلام قبول

1- اشرف، آغا۔ اسلام اور غلامی، ص: 148

2- امیر علی، سید، فتاوی عالمگیری مترجم، حامد اینڈ کمپنی، مدینہ منزل اردو بازار لاہور، سن 2:3

3- المائدہ 49:2- البقرہ 178

4- جصاص، ابو بکر، احمد بن علی، الرازی، علامہ، احکام القرآن، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، طبع اول

1999ء، 1:157

5- ایضاً

6- بہنسی، احمد فتی، ڈاکٹر، القصاص فی الفقہ الاسلامی، مترجم: مولانا سید عبدالرحمن بخاری، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ

لاہور، نسبت روڈ لاہور، ص: 78

7- النساء 4:135

کرنے کے اعتبار سے اور آزاد میں اور غلام میں اور مرد اور عورت میں یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ بیت المال سے جو وظائف تقسیم کرتے تھے ان میں بھی آزاد اور غلام کی تفریق نہ کرتے تھے۔⁽¹⁾ حضرت عمرؓ نے اہل موالیٰ کی مردم شماری کرائی اور ان کے وظیفے مقرر کیے۔ ایک روایت میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے ہر نفس مسلمہ کے لیے ہر مہینے میں دو مد (ایک پیانہ) گیہوں اور دو قسط زیتون کے اور دو قسط سرکہ کے مقرر کر دیئے ہیں اس پر ایک شخص نے پوچھا والعبد یعنی کیا غلام کو بھی اتنا ہی ملے گا فرمایا نعم والعبد ہاں غلام کو بھی۔⁽²⁾ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو یہ کہتے سنا کہ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر ایک کا اس بیت المال میں حصہ ہے اور اس معاملے میں کسی کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کے مطابق چلنا ہو گا۔ نیز ہر ایک کے اسلامی کارناموں، اس کی دولت مندگی، ضرورت اور قدیم اسلام لانے کے تعلقات کا لحاظ کرنا ہو گا۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفاء کے ایک چرواہے کو اس کا حصہ وہیں بیٹھے بیٹھے ملے گا۔⁽³⁾

4۔ انسانیت کے حقوق میں سے ایک حق شادی کا بھی ہے اسلام سے پہلے لوگ اپنے آرام و آسائش کی خاطر غلاموں اور باندیوں کو اس حق سے محروم رکھتے تھے۔ عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بعض اوقات غلاموں کی شادیاں کروادیتے تھے لیکن پھر جب چاہتے میاں بیوی میں مفارقت کروادیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو انتہائی ناپسند فرمایا ہے اور دین اسلام میں انہیں ان کے اس بنیادی حق سے سرفراز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنی غیر شادی شدہ عورتوں اور اپنے غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرو۔⁽⁴⁾ قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

وفيه دليل على وجوب تزويج المولية والمملوك.⁽⁵⁾

¹۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: 161

²۔ ایضاً، ص: 162

³۔ الطبری، ابن جعفر بن جریر، علامہ، تاریخ طبری، مترجم: حافظ سید رشید احمد ارشد، حصہ سوم خلافت راشدہ، نفیس اکیڈمی بلاس اسٹریٹ کراچی، دسمبر 1967ء، 2: 203

⁴۔ النور 24: 32

⁵۔ البیضاوی، عبد اللہ بن عمر، ناصر الدین ابی الخیر، انوار التنزیل و اسرار التاویل، شركة مكتبة و مطبعة مصطفى الباني الحلبي و اولاده بمصر، الطبعة الاولى، 1358ھ، 2: 99

”اور اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ غلام اور باندی کا نکاح کرنا واجب ہے۔“
یہ بھی ضروری نہیں کہ غلام کا نکاح صرف باندی سے ہی ہو سکتا ہے غلام آزاد اور شریف عورت سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کروایا اور جب دونوں کا نباہ نہ ہو سکا تو خود حضرت زینبؓ سے عقد فرمایا۔⁽¹⁾
اسی طرح ایک باندی بھی ایک آزاد شخص سے نکاح کر سکتی ہے اس کے لیے بھی نبی اکرم ﷺ نے کئی ایک مثالیں چھوڑی ہیں مثلاً آپ ﷺ نے حضرت جویریہؓ سے نکاح فرمایا جو ثابت بن قیس کی جاریہ تھیں اور انہوں نے ثابت سے کتابت کر لی تھی حضور اکرم ﷺ نے خود ان کی طرف سے بدل مکاتبہ ادا کیا اور آزاد ہونے کے بعد ان سے عقد فرمایا۔⁽²⁾ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے بنو یاختہ کے کسی خاندان میں رشتہ کرنا چاہا، نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو پسند فرمایا اور اس خاندان والوں سے فرمایا کہ وہ اس رشتہ کو منظور کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اپنی بیٹیوں کے نکاح غلاموں سے کر دیں؟⁽³⁾
اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

”اے لوگو! ہم نے تم کو مردوں اور عورتوں سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف گروہوں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹ دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مستحق کرامت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے تحقیق اللہ ہی جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔“⁽⁴⁾

اور صرف یہی نہیں کہ آقا پر غلام یا باندی کا نکاح کرنا ضروری ہے بلکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو اچھی تعلیم و تربیت دے اور پھر اس کو آزاد کر کے خود اس سے نکاح کر لے تو اس کو دواجر ملتے ہیں۔⁽⁵⁾
5۔ غیر مسلم قوموں میں غلام کو یہ جرات نہ تھی کہ وہ اپنے مولیٰ کے کسی فعل پر نکتہ چینی کر سکتے خواہ وہ بات کتنی ہی جائز اور درست ہو۔ اگر کسی غلام سے کبھی ایسی کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو اس پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا

¹۔ سعید احمد ایم اے، مولانا، غلامان اسلام، مکتبہ القریش، چوک اردو بازار لاہور، سن اشاعت 1997ء، ص: 38

²۔ احمد سعید، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ص: 165

³۔ تفسیر ابن عباس مع لباب النقول فی اسباب النزول، مترجم عابد الرحمن صدیقی کاندھلوی، کلامی کمپنی مقابل مولوی مسافر خانہ

کراچی، 254:3

⁴۔ الحجرات 13:49

⁵۔ تھانوی، اشرف علی، مولانا، تفسیر ابن عباس (مترجم)، کلام کمپنی مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی، 254:3

جاتا۔ لیکن اسلام نے انسانیت کے ناتے آزاد اور غلام تمام لوگوں کو فکری و قوی آزادی کی جس نعمت سے نوازا ہے اس کی دنیا میں کہیں کوئی مثال نہیں۔ اسلام نے غلام کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بغیر کسی خوف و ہراس کے اپنے آقا کے غلط فعل پر نکتہ چینی کرے اور ایسا کرنا نہ صرف اس کے لیے جائز بلکہ موجب اجر و ثواب ٹھہرایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: غلام اپنے آقا کو نصیحت کرے اور اللہ کی عبادت بھی اچھی طرح بجالائے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو جب آزاد کیا گیا تو وہ روپڑے لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: پہلے میرے لیے دو اجر تھے اب ایک ہی رہ گیا۔^(۱)

6۔ قرآن کریم میں جن جن لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے ان لوگوں میں غلام کا ذکر بھی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور قرابت والوں یتیموں، محتاجوں، یتیموں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لونڈی غلام تمہارے قبضے میں ہیں ان سب کے ساتھ حسن سلوک کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترائیں اور بڑائی مارتے پھریں۔“^(۲)

زید بن حارثہؓ حضور اکرم ﷺ کے غلام تھے جو نزول وحی سے بھی پہلے آپ ﷺ کے پاس رہتے تھے۔ آپ ﷺ کا برتاؤ ان کے ساتھ اس قدر کریمانہ تھا کہ لوگ عموماً ان کو زید بن محمد کہتے تھے۔ خود زیدؓ کو بھی آپ ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ جب ان کے خاندان کے لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے کی درخواست کی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔^(۳)

7۔ کسی غلام کو مارنے پینے کا سوال تو دور رہا صحابہ کرام غلاموں اور لونڈیوں کو برا کلمہ تک کہنے سے بھی گریز کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ایک دوست کے گھر گئے دوست اس وقت گھر پر موجود نہ تھا۔ حضرت ابن مسعود نے دوست کی بیوی سے پانی طلب کیا انہوں نے اپنی لونڈی کو بھیجا کہ پڑوس میں سے دودھ لے آئے۔ اتفاقاً اس لونڈی کو آنے میں دیر ہو گئی اس عورت نے غصہ میں آکر لونڈی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور اس پر لعنت کی۔ حضرت ابن مسعودؓ یہ سن کر فوراً وہاں سے واپس آگئے دوست سے ملاقات پر اس نے نہ

^۱۔ اسلامی میں غلامی کی حقیقت، ص: 168

^۲۔ النساء: 36

^۳۔ ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، 1377ھ، 3: 42

رکنے کا سبب دریافت کیا تو کہا کہ آپ کی بیوی نے لونڈی پر لعنت کی حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر لعنت اس شخص کو کی جائے جو اس کا مستحق نہ ہو تو لعنت لوٹ کر لعنت بھیجنے والے پر ہی پڑتی ہے۔ اس بناء پر مجھ کو خوف ہوا کہ شاید باندی معذور ہو اور وہ لعنت آپ کی بیوی پر لوٹ کر آئے جس کا سبب میں بن جاؤں لہذا میں اس خدشہ کے باعث لوٹ آیا۔⁽¹⁾

8۔ از روئے احکام فقہ غلاموں کے لیے حدود و عقوبات بہ نسبت احرار کے نصف ہیں گویا جس جرم کی پاداش میں ایک آزاد کو 80 کوڑے کی سزا ہو سکتی ہے وہی جرم اگر غلام سے سرزد ہو جائے تو 40 کوڑے لگیں گے۔ شاہ ولی اللہ اس بارے میں کہتے ہیں: اگر غلاموں کے لیے انتہائی سزا (جو آزاد کے لیے ہے) شروع کر دی جائے تو اس سے ظلم و جور کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس طرح اگر ایک آقا اپنے غلام کو قتل کر دے اور بہانہ یہ کرے کہ اس نے زنا کیا تھا تو پھر اس سے تو کوئی باز پرس بھی نہ ہوگی۔ اسی بناء پر غلاموں کے لیے حدود کو اس حد تک کم کر دیا گیا کہ ہلاکت پر منتج نہ ہوں۔⁽²⁾

صحابہ کرام اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ کہیں غلام کو محض غلام ہونے کی وجہ سے زیادہ سزا نہ مل جائے۔ ایک غلام نے ایک باغ سے کھجور کا خوشہ چر الیا۔ باغ کے مالک نے غلام کے آقا مروان بن حکم سے اس کی شکایت کی اس نے اپنے غلام کو قید کر دیا اور چاہا کہ اس پر حد سرقہ نافذ کرے۔ وہ رافع بن خدیج کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام معاملہ کہہ سنایا اس پر انہوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ: پھل کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ یہ سن کر رافع بن خدیج نے اس آقا سے کہا کہ پھر آپ ذرا یہ حدیث مروان بن حکم کو بھی سنا دیجیے۔ حضرت رافع مروان کے پاس گئے اور یہ حدیث ان کے گوش گزار کی تو انہوں نے غلام کو فوراً رہا کر دیا۔⁽³⁾

9۔ اسود بن ابی زید سے روایت ہے کہ جب کوئی وفد حضرت عمرؓ کے پاس آتا تھا تو آپ اس سے دریافت کرتے تھے کہ تمہارے علاقے کا گورنر کیسا ہے؟ وہ کہتے کہ بہت اچھا آدمی ہے۔ پھر دریافت کیا کرتے کہ: وہ تمہارے بیماروں کی عیادت کرتا ہے یا نہیں؟ وہ جواب دیتے: جی ہاں۔ آپ پھر پوچھتے: غلاموں کی عیادت کرنے بھی جاتا ہے یا نہیں؟ وہ کہتے کہ ہاں جاتا ہے۔ پھر پوچھتے کہ ضعیفوں اور کمزوروں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟

¹۔ العمدی، عبد اللہ، علامہ، طبقات ابن سعد مترجم، نفیس اکیڈمی و مسعودی پبلیشنگ ہاؤس سٹریٹن روڈ کراچی، 1977ء 3: 238

²۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی، حجة اللہ البالغہ، دارالاشاعت اردو بازار کراچی، سن 160: 2

³۔ اسلام اور غلامی، ص: 51

ان غریبوں کو اس کے دروازے پر بیٹھنے کی اجازت بھی ہے یا نہیں۔ اگر ان تمام سوالوں کا جواب اثبات میں دیتے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے معزول کر دیتے تھے۔⁽¹⁾

10۔ اسلام میں امامتِ نماز بہت بڑا شرف و امتیاز ہے۔ جب تک رسول اکرم ﷺ حیات رہے خود نماز پڑھاتے رہے اخیر وقت میں یہ فریضہ حضرت ابو بکرؓ کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ابو حذیفہ کے غلام سالمؓ نماز میں امامت کرواتے تھے اور آپؐ کی اقتداء میں مہاجرین اولین جن میں حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، ابو سلمہؓ، زیدؓ اور عامر بن ربیعہؓ بھی شامل ہوتے تھے۔ وہ ایک غلام کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے۔⁽²⁾ حضرت عمرؓ نے جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو عمار بن یاسرؓ جو آزاد کردہ غلام تھے کوفہ کا امام نماز اور سالارِ فوج بنایا۔⁽³⁾

11۔ اگر غلام اپنے آقا کو رب کہے یا آقا اپنے غلام کو عبدی، ان دونوں سے ڈر اور تکبر کی بو آتی ہے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے ان ناموں کو ناپسند فرمایا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ تم میں سے کوئی میرا غلام یا میری لونڈی نہ کہے اور نہ غلام یا لونڈی مالک کو میرا رب کہے۔⁽⁴⁾

اسلام میں غلاموں کے لیے جو نام اور الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے غلام کو وہ تمام حقوق عطا کیے ہیں جو ایک انسان ہونے کے ناطے اس کا حق ہیں ایسے القابات مثلاً مولیٰ، فقی اور خادم مذکر کے لیے جبکہ جاریہ، فقاۃ اور امۃ مونث کے لیے آئے ہیں۔ صرف "عبد" ہی ایک ایسا لفظ ہے جو حر کے مقابل بولا جاتا ہے لیکن اول تو حضور اکرم ﷺ نے غلام کو اس لفظ کے ساتھ پکارنے سے منع فرمایا اور دوسرا یہ کہ عبد کو اللہ کی طرف مضاف کر کے اصرار پر بھی بولتے ہیں۔⁽⁵⁾

اسلام میں غلام آزاد کرنے کی تدابیر

اسلام میں چونکہ آزادی کو اصل مانا گیا ہے لہذا مختلف انداز میں مسلمانوں کو غلام آزاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس مقصد کے لیے کچھ مواقع ایسے رکھے گئے ہیں کہ جن کے ذریعے غلام خود اپنے آقا سے آزادی

¹۔ العمدی، طبقات ابن سعد، ص: 184

²۔ احمد سعید، اسلامی میں غلامی کی حقیقت، ص: 190

³۔ ایضاً

⁴۔ مسلم، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب حکم اطلاق لفظ العبد والامة، رقم الحدیث، 2249

⁵۔ سنن أبی داؤد، کتاب الادب، رقم الحدیث: 701

حاصل کر سکتا ہے جبکہ کچھ معاملات و اسباب ایسے ہیں کہ جہاں مسلمانوں کو کسی گناہ و جرم کے ازالہ و کفارہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ذرائع درج ذیل ہیں:

1۔ مکاتبت: جس طرح شریعت اسلام میں عورتوں کے لیے خلع کا حق رکھا گیا ہے بالکل اسی طرح غلاموں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آقا سے مکاتبت کر لیں، یعنی غلام خود کہے یا اس کا آقا یہ کہہ دے کہ وہ اتنے پیسے کما کر آقا کو ادا کرے اور پھر آزاد ہو جائے۔⁽¹⁾ قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک گردنیں آزاد کروانا ہے۔⁽²⁾ اور اس مصرف کی بہترین شکل یہی ہو سکتی ہے کہ جو غلام مکاتبت کر چکے ہوں ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا کر کے انہیں آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا جائے۔⁽³⁾

2۔ مدبر: بعض لوگ اپنی معاشی ضرورتوں اور کچھ دوسرے معاملات کی وجہ سے غلام آزاد نہیں کرنا چاہتے تو ایسے لوگوں کے لیے اسلام نے یہ سہولت رکھی ہے کہ وہ غلام کے لیے کچھ ایسی تدابیر پیدا کر دیں جو ان کی آزادی کے لیے راہ ہموار کر سکیں۔ یعنی کچھ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ ان کی ضرورتوں کا بھی حرج نہ ہو اور غلام آزادی سے بھی محروم نہ رہے۔ ایسی کسی تدبیر کے ذریعہ آزادی حاصل کرنے والے کو مدبر کہتے ہیں۔⁽⁴⁾

3۔ آقائی وصیت: اس سے مراد یہ ہے کہ آقا اپنی زندگی میں تو غلام کو آزاد نہ کرے لیکن یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے، اس چیز کو تدبیر کہتے ہیں۔ بظاہر تو آقائی وصیت اور تدبیر ایک ہی چیز معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ وصیت سے رجوع کیا جاسکتا ہے یعنی وصی اسے تبدیل کر سکتا ہے لیکن تدبیر کو واپس یا تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ اس تدبیر کے بعد آقا اپنی زندگی میں پھر اس غلام کو نہ تو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ۔⁽⁵⁾

4۔ ام ولد: اصطلاح شرع میں ام ولد اس جاریہ کو کہتے ہیں جس کے بطن سے اس کے آقا کا بچہ پیدا ہو۔ ایسی

¹۔ فتاویٰ عالمگیری، حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل اردو بازار، لاہور، 2: 396

²۔ النوبہ 9: 60

³۔ لیلہ بختیار، اسلامی شریعت کا انسائیکلو پیڈیا، مترجم: یاسر جواد، نگارشات پبلشرز حبیب ایجو کیشنل سنٹر، 24 مزنگ روڈ

لاہور 2008ء

⁴۔ عاشق الہی، مفتی، عبادات و معاملات سے متعلق بنیادی فقہی احکام، مترجم مولانا عبدالغنی طارق، ادارۃ القرآن والعلوم

الاسلامیہ، کراچی 2001ء، 2: 93

⁵۔ فتاویٰ عالمگیری، 9: 491

لونڈی کے بارے میں ہے کہ اس کا بچہ اسے آزاد کر دیتا ہے۔⁽¹⁾ جیسا کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ جب ان کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بیٹے نے اس کو آزاد کر دیا۔⁽²⁾ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو لوگوں کو جن میں سے ایک کافر ہو اور دوسرا مسلمان ایک بچہ کہیں پڑا ملے اور اس کے متعلق مسلمان کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ میرا غلام ہے جبکہ کافر اسے اپنا بیٹا کہتا ہو تو وہ بچہ اس کافر کو دے دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو دیا گیا تو وہ غلام ہو جائے گا اور اگر کافر کو دیں تو وہ آزاد ہو گا اور چونکہ اسلام میں آزادی اصل ہے لہذا اس کی آزادی کو مد نظر رکھتے ہوئے کافر کے دعویٰ کو مسلمان پر فوقیت دی جائے گی۔ لقیط اٹھانے والے کا مملوک نہ ہو گا بلکہ سلطان وقت اس کا ولی تصور کیا جائے گا۔ اس کا نفقہ اور جرم کا جرمانہ بیت المال پر ہو گا۔⁽³⁾ جبکہ حضرت عمر کے مطابق لقیط کی ولاء اٹھانے والے کے ذمے اور اخراجات بیت المال یعنی حاکم وقت کے ذمے ہوتے ہیں۔⁽⁴⁾

5۔ ولاء: آزاد ہونے کے بعد غلام اور اس کے آقا کا تعلق یک لخت منقطع کر دینا کچھ نامناسب محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام نے غلام کے آزاد ہونے کے بعد بھی اس چیز کا لحاظ رکھا ہے کہ وہ جب تک چاہے اپنی مرضی سے اپنے آقا کے پاس رہ سکتا ہے۔ آقا اور غلام کے تعلق کو غلام کے آزاد ہونے کے بعد بھی ایک مخصوص طریقہ سے باقی رکھا گیا ہے۔ اسی چیز کو شرعی اصطلاح میں "ولاء" کا نام دیا گیا ہے۔ ایسے آزاد کردہ غلام مولیٰ کہلائے۔⁽⁵⁾ جیسے حضرت زید بن حارثہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ آپ نے انہیں مکمل آزاد کر دیا لیکن وہ اس کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور زید بن حارثہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلائے۔⁽⁶⁾

متعدد گناہوں کے کفارے کے طور پر بھی اسلام میں غلام آزاد کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مثلاً 1۔ کفارہ قتل خطا: اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ایک غلام آزاد

¹۔ عاشق الہی، مفتی، عبادات و معاملات سے متعلق بنیادی فقہی احکام، 2: 94

²۔ العمادی، عبد اللہ، علامہ، طبقات ابن سعد مترجم، حصہ ہشتم، ص: 297

³۔ فتاویٰ عالمگیری، 7: 485

⁴۔ قلعہ جی، رواس، محمد، ڈاکٹر، فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، مترجم: ساجد الرحمن صدیقی، ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور،

1994ء، 2: 594

⁵۔ مترجم، فتاویٰ عالمگیری، 7: 452

⁶۔ العمادی، عبد اللہ، علامہ، طبقات ابن سعد مترجم، 7: 103

کرے اور اگر کوئی کسی مسلمان کو خطاً قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو دیت دے مگر اس وقت جبکہ وہ معاف کر دیں۔⁽¹⁾

2- کفارہ ظہار: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی محرمات یعنی ماں یا بہن سے تشبیہ دے دے جسے شریعت اسلام میں "ظہار" کہتے ہیں تو کفارہ کے طور پر وہ یا تو ایک غلام آزاد کرے یا پھر ساٹھ دن کے روزے رکھے یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ان تینوں میں سے اولیت غلام آزاد کرنے کو ہی دی گئی ہے۔⁽²⁾

3- کفارہ یمین

﴿لَا يُوْاْخِذُكُمْ اَللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّوْاْخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعَمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾

”اگر کوئی شخص کسی بات کی قسم کھالے اور پھر اس کو توڑنا چاہے یا جان بوجھ کر توڑ دے تو اس کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہو گا اور وہ یہ ہے کہ وہ متوسط درجہ کا کھانا دس مسکینوں کو کھلائے یا ان کو کپڑے مہیا کر دے یا ایک غلام آزاد کرے۔⁽³⁾

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت نزع میں تھے اور زبان ہلانا مشکل تھا یہ تھی کہ: الصلاة اتقوا الله فيما ملكت ايما نكم۔۔۔ علماء اگرچہ "ماملکت ايما نكم" سے غلامی ہی مراد لیتے ہیں مگر یہ جملہ اپنے اندر وسع مفہوم لیے ہوئے ہے۔ اگر صرف اصطلاحی غلام ہی مراد ہوتے تو اس کے لیے عبيدكم یا مواليككم کے الفاظ بھی آسکتے تھے۔ ماملکت ايما نكم کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جس کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہیں۔ اردو میں اس کا بہترین ترجمہ زیر دست ہو سکتا ہے۔ دفاتر میں ہر چھوٹا عہدیدار بڑے کا زیر دست ہوتا ہے، کارخانوں میں مزدور مالک کے زیر دست ہیں، زمینوں میں مزارع زمیندار کے، غریب طبقہ سرمایہ دار و جاگیر دار کا، تو بیوی شوہر کی۔ اس طرح یہ حدیث گویا ہر مسلمان کے لیے وصیت نبوی ہے کہ وہ اپنے زیر دست و ماتحت کا خیال رکھے۔

¹۔ النساء: 4: 92

²۔ المجادلہ: 58: 4-2

³۔ المائدہ: 5: 89

دورِ جدید میں غلامی کی مختلف اشکال

1- قرضہ کی بنیاد پر جبری مشقت کروانا۔ انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے کنونشن میں جبری مشقت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ یہ وہ مشقت ہے جو پیشگی رقم کے عوض لی جاتی ہے۔ اس پر تمام ممالک نے دستخط کر کے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کی مثال ہمارے ہاں گھریلو ملازمین یا بھٹیوں پر کام کرنے والے مزدور ہیں۔ حکومت کو اس شعبے میں نئے سرے سے قانون سازی کرنے کی ضرورت ہے۔

2- جاگیر دارانہ نظام میں جاگیرداروں کے کھیتوں میں نسل در نسل کام کرنے والے زرعی کسان۔ (Serfdeum)

بعض مسلمان ممالک میں انتہائی ظالمانہ جاگیر دارانہ نظام رائج ہے جہاں کسانوں کو ہر قسم کے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ زرعی کسانوں کی اس زبوں حالی کو صوبہ سندھ کے جاگیر دارانہ نظام میں دیکھا جاسکتا ہے۔

3- معاوضہ کے عوض میں شادی کے نام پر بچیوں کی سپردگی (Servile Marriage)

عالم اسلام کے کئی ممالک بشمول پاکستان کے مخصوص علاقوں اور قبائل میں شادی کے نام پر بچیوں کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں مختلف جرائم مثلاً قتل وغیرہ کی صلح کے لیے مالی جرمانہ کے ساتھ ساتھ بیٹی یا بہن کا رشتہ بھی دیا جاتا ہے جو پنجاب میں وئی، خیبر پختون میں سوارا، سندھ میں سنگ چٹی اور بلوچستان میں ار جانی کے نام سے رائج ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اشرف⁽¹⁾ نے اپنی کتاب ”اسلام اور بنیادی انسانی حقوق“ میں جدید دور میں غلامی کی بہت ساری اشکال تحریر کی ہیں جن میں بچوں کی مشقت اور مزدوری اس طرح انسانی سمگلنگ مردوں اور عورتوں کو مختلف ممالک میں جبری مزدوری اور جنسی مقاصد کے لیے سمگل کیا جاتا ہے اور ان سے ذاتی مقاصد حاصل کرنا شامل ہے جیسے خوف و ہراس پھیلانا، دہشت گردی وغیرہ۔

خلاصہ بحث

اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ واقعی کوئی سچا مذہب ہوتا اور اس کا اصل مقصد انسانیت کا فروغ ہوتا تو یہ غلامی کے ادارے کو ختم کرتا لیکن ختم کرنا تو درکنار اس نے اسے معاشرے کا ایک لازمی جز قرار دے کر اس کے لیے مستقل احکام دیے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنی تعلیمات کے ذریعے سے اپنے پیغمبر کو ایسے

¹ - حافظ محمد اشرف، پروفیسر، اسلام اور بنیادی انسانی حقوق، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور 2013ء، ص: 223

احکام دیے اور پیغمبر نے ان ہدایات کو ایسے عملی اقدامات میں ڈھالا کہ غلامی کے ادارے کے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانے کی راہ ہموار ہو گئی۔ سب سے پہلے تو یہ جان لیں کہ اسلام نے غلامی کی ابتدا نہیں کی بلکہ یہ پہلے سے موجود تھی۔ جب رسول اللہ مبعوث ہوئے تو دوسری اخلاقی برائیوں کی طرح یہ بھی پورے عروج پر تھی۔ الہامی شریعت کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں کی اصلاح بتدریج آہستہ آہستہ کرتی ہے۔ اللہ کے نبی پہلے لوگوں کے نظریات، عقائد اور سوچ میں تبدیلی لاتے ہیں یعنی ذہنوں کو اس تبدیلی کے لیے تیار کرتے ہیں جیسا کہ شراب کی حرمت کے تدریجی احکام۔ یہی حکمت عملی قرآن کریم نے غلامی کی رسم بد کو ختم کرنے کے لیے اختیار کی۔

اسلام نے مساوات انسانی کا تصور دے کر یہ واضح کیا کہ غلام بھی دوسرے انسانوں کی طرح کے انسان ہیں اور تمام انسان چونکہ اللہ کی مخلوق ہیں لہذا کسی ایک کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ پھر آخرت کا عقیدہ دے کر یہ وضاحت کر دی کہ تمام انسانوں کی اس دنیا میں آمد کا مقصد صرف اور صرف آزمائش ہے تاکہ اچھے برے کی پہچان ہو سکے۔ پھر ان کے حقوق بیان کیے کہ جیسا خود کھاؤ انہیں بھی ویسا کھلاؤ اور جیسا خود پہنو انہیں بھی ویسا پہناؤ اور ان سے ان کی طاقت سے بڑھ کر کام نہ لو۔ پھر اسلام نے کئی گناہوں کے کفارہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کی ترغیب دلائی، اس کے بعد ان کے نکاح کرنے کی ہدایت فرمائی تاکہ ان کی اپنی ایک معاشرتی و ازدواجی زندگی اور حیثیت ہو۔ مصارف زکوٰۃ میں ایک مستقل مد فی الرقاب کی رکھ کر سرکاری طور پر ان کی آزادی کا انتظام فرمادیا۔

معاشرتی رویہ اور ذہن بدلنے کی غرض سے انہیں عبد اور اُمّۃ کے الفاظ سے پکارنے کی ممانعت کر دی۔ جنگی قیدیوں کو اگرچہ غلام بنانے کی اجازت دی جا چکی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی آزادی کی راہ نکال کر انہیں فدیہ لے کر یا احسان کے طور پر آزاد کر دینے کی ترغیب دلائی۔ ان اقدامات کے بعد بالآخر غلام نہ بنانے کی حتمی پابندی کا یہ انقلابی اور معجزاتی قانون نازل ہوا وہ یہ کہ غلام اپنے آقاؤں سے مکاتبت کر لیں۔

جناب جاوید احمد غامدی اپنی کتاب ”قانون معاشرت“ میں لکھتے ہیں:

”اس میں مکاتبت کا جو لفظ استعمال ہوا ہے یہ ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کرے کہ وہ فلاں مدت میں اس کو اتنی رقم ادا کرے گا یا اس کی کوئی متعین خدمت انجام دے گا اور اسکے بعد آزاد ہو جائے گا۔ سورہ نور کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اگر یہ معاہدہ کرنا چاہتا ہے اور نیکی اور خیر کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کی یہ درخواست لازماً قبول کر لی جائے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے

کہ وہ بیت المال سے جسے یہاں اللہ کا مال کہا گیا ہے، اس طرح کے غلاموں کی مدد کریں۔ آیت کے الفاظ سے واضح ہے کہ مکاتبت کا یہ حق جس طرح غلاموں کو دیا گیا ہے، اسی طرح لونڈیوں کو بھی دیا گیا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ لوح تقدیر اب غلاموں کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی آزادی کی تحریر اس پر جب چاہیں رقم کر سکتے ہیں۔“⁽¹⁾

تلخیص، بحث

اس ساری بحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ جس طرح سود ایک ظالمانہ فعل ہے لیکن آج کوئی بھی اسے ظلم ماننے کو تیار نہیں بلکہ اسے رقم کا کرایہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں غلامی کو بھی بالکل جائز سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس یک لخت ختم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس سے معاشرے میں ایک بہت بڑا فساد برپا ہو جاتا۔ لہذا قرآن کریم نے اسے بند رہنمائی ختم کیا۔ قرآن کریم کے انہی تدریجی احکام کا نتیجہ ہے کہ غلام بنانے کا عمل ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ آج روئے زمین پر کہیں بھی اس جاہلی رسم غلامی کا وجود نہیں رہا جو طلوع اسلام کے وقت رائج تھی۔ بلاشبہ قرآن کریم کے یہ احکام معجزے سے کم نہیں۔

غلامی کے حوالے سے ایک اور اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اتنے زیادہ احکامات اور اصلاحات کے باوجود، مسلمانوں کی کم و بیش ہزار ہا برس کی حکمرانی میں غلامی کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔ بالآخر یورپ و امریکہ نے بلکہ امریکی صدر ابراہام لنکن (1809ء-1865ء) نے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ یہ اعتراض اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن یہ کمزوری ہمارے دین اور شریعت کی نہیں بلکہ ہمارے حکمرانوں کی ہے جنہوں نے اپنی کمزور قیادت کے باعث الہی احکام کی اس طرح پاسداری نہ کی جس طرح کہ اس کا حق تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اعزاز جو اصل میں اسلام اور مسلمانوں کا فخر بننا تھا ابراہام لنکن نے حاصل کر لیا ہے۔

سفارشات

- 1۔ اسلامی ریاستوں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات پر مشتمل انسانی حقوق کے تصورات کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنائے اور نسل نو کو اس سے مکمل آگاہی اور شعور باہم پہنچانے کا بندوبست کرے۔
- 2۔ مسلمان ممالک میں کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) اس کے خاتمہ کے لیے اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ عوامی شعوری اور بیداری پیدا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔
- 3۔ اسلامی ریاستوں کو چاہیے کہ او آئی سی کی تنظیم کو فعال اور منظم بنائیں کیونکہ اس تنظیم کے ذریعہ سے

¹۔ غامدی، جاوید احمد، ”قانون معاشرت“

- بنیادی انسانی حقوق کے ضمن میں اسلام کے نقطہ نظر کو بین الاقوامی اداروں میں مؤثر طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔
- 4۔ ریاستوں کے بنیادی ستونوں متقنہ، انتظامیہ اور عدلیہ کو اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کرنا۔ اس سے امت مسلمہ میں انسانی حقوق کے متعلق شعور بیدار ہو گا۔
- 5۔ انسانی حقوق کے بین الاقوامی اداروں میں وسیع المطالعہ مسلم دانشوروں اور علما کو نمائندگی دی جائے تاکہ صحیح اسلامی تعلیمات کو پیش کیا جاسکے۔

اصول تعلیم

حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ کی روشنی میں

ڈاکٹر شمس العارفین*

ڈاکٹر عبدالقدوس**

ABSTRACT

The prime aim of this paper is to explore the principle and lessons of knowledge acquisition from the event of Prophet Moses and Khizar (AS) narrated in the Holy Quran. Almighty Allah (SWT) has provided detailed account of interaction between Prophet Moses and Khizar (AS) including the time they spent together, various wonders Prophet Moses came across and his final departure from Khizar. One can derive many lessons on learning process and knowledge acquisition from this event. In addition to the education process, this study has revealed important aspects of student teacher relationship and the importance of their roles. Moreover, the paper highlights the influences and prerogatives of the teachers in light of the mentioned event. It does not only cover the respect of the teacher by the students but also the teachers' thinking about the welfare of the students and their impact on the advantages of the education process. Therefore, the analysis of the event results in many social and educational implications regarding students' behavior and attitude towards learning as

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، لاہور کیمپس

** اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ، یو ایس ٹی بنوں

well as their teachers. The paper also encompasses the rules related to the education process in particular the special consideration at students' part for better learning.

Keywords: اصول تعلیم، علم، خضر موسیٰ، تحصیل، استاد، طالب علم، قرآن

قرآن کریم کتاب ہدایت ہے اور یہ انتہائی جامع انداز میں - انسانیت کی راہنمائی کے لئے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، خواہ ان کا تعلق احکام و عقائد سے ہو، وعدہ و وعید سے ہو یا امثال و قصص سے ہو۔ نفسِ انسانی کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ دوسروں کے واقعات سے جلدی عبرت حاصل کرتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف انبیاء و اقوام کے واقعات جا بجا بیان فرمائے ہیں۔ ان واقعات میں سے ایک واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا بھی ہے، جس میں کئی نصائح و عبرت موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صاحبِ کتاب جلیل القدر پیغمبر ہیں جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت میں

اختلاف ہے۔⁽¹⁾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ بنی اسرائیل کے سامنے بڑے بلیغ انداز میں خطاب فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہاً حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے اور ان سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا،⁽²⁾ چنانچہ آپ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس چلے گئے، اُن کے ساتھ وقت گزارا، کئی عجائبات دیکھے اور اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ علم کی کوئی انتہا نہیں۔ حقیقت میں علم کُلّی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور بندوں کو علم کا بہت تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔ متعلقہ آیات ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاہُ... مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾⁽³⁾ کا مولانا احمد علی لاہوریؒ کا با محاورہ ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ واقعہ مذکورہ اجمالی طور پر ذہن میں رہے:

”اور جب موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا کہ میں نہ ہٹوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر

1- الآلوسی، شہاب الدین ابو الفضل، (م 1270ھ)، روح المعانی، دار احیاء التراث العربی بیروت، بذیل الکہف 65: 18

2- البخاری، محمد بن اسماعیل (م 256ھ)، الجامع الصحیح، محقق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طرق

النجاۃ، 1422ھ رقم الحدیث 122

3- الکہف 18: 60 تا 78

پہنچ جاؤں یا سالہا سال چلتا جاؤں۔ پھر جب وہ دو دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ پر پہنچے دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے پھر مچھلی نے دریا میں سرنگ کی طرح کاراستہ بنالیا۔ پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے تو اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لے آ، البتہ تحقیق ہم نے اس سفر میں تکلیف اٹھائی ہے۔ کہا کیا تو نے دیکھا جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تو میں مچھلی کو وہیں بھول آیا، اور مجھے شیطان ہی نے بھلایا ہے کہ اس کا ذکر کروں، اور اس نے اپنی راہ سمندر میں عجیب طرح سے بنالی۔ کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے، پھر اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہی الٹے پھرے۔ پھر ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنے ہاں سے رحمت دی تھی اور اسے ہم نے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔ اسے موسیٰ نے کہا کیا میں تیرے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تو مجھے سکھائے اس میں سے جو تجھے ہدایت کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ کہا بے شک تو میرے ساتھ ہر گز صبر نہیں کر سکے گا۔ اور تو صبر کیسے کرے گا اس بات پر جو تیری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ کہا ان شاء اللہ تو مجھے صابر ہی پائے گا اور میں کسی بات میں بھی تیری مخالفت نہیں کروں گا۔ کہا پس اگر تو میرے ساتھ رہے تو مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کر یہاں تک کہ میں خود تیرے سامنے اس کا ذکر کروں۔ پس دونوں چلے، یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (بندے نے) اسے پھاڑ دیا، (موسیٰ نے) کہا کیا تو نے اس لیے پھاڑا ہے کہ کشتی کے لوگوں کو غرق کر دے، البتہ تو نے خطرناک بات کی ہے۔ کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ کہا میرے بھول جانے پر گرفت نہ کر اور میرے معاملہ میں سختی نہ کر۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ انہیں ایک لڑکا ملا تو (بندے نے) اسے مار ڈالا، (موسیٰ نے) کہا تو نے ایک بے گناہ کو ناحق مار ڈالا، البتہ تو نے بری بات کی۔ کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کا سوال کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیں، آپ میری طرف سے معذوری تک پہنچ جائیں گے۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزرے تو ان سے کھانا مانگا انہوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرنے ہی والی تھی تب اسے سیدھا کر دیا، کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کوئی اجرت ہی لے لیتے۔ کہا اب میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے، اب میں تجھے ان باتوں کا راز بتاتا ہوں جن پر تو صبر نہ کر سکا۔^(۱)

چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان تینوں کاموں کی حکمت بتادی اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ مذکورہ واقعہ میں کافی تفصیل ہے اور اس سے بہت سے نصائح و عبرتیں حاصل کی جاسکتی ہیں لیکن زیرِ نظر مضمون میں واقعہ مذکورہ کی روشنی میں آدابِ المعلمین و المتعلمین تحریر کیے جاتے ہیں کہ معلمین کے پاس کیا کیا اختیارات ہیں اور متعلمین کی بہتری کے لیے وہ کیا کیا طریقے اختیار کر سکتے ہیں؟ اسی طرح متعلمین کو اساتذہ کا کتنا خیال رکھنا چاہیے، اُن کا کیا درجہ ہے اور علم حاصل کرتے ہوئے کیا کیا برداشت کرنا چاہیے؟ علاوہ ازیں واقعہ مذکورہ سے ایک علمی ادارے کے قوانین اور اصول و ضوابط بھی اخذ کیے جائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

طلبِ علم کے لیے گھر سے نکلنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے اور پکارا ارادہ کیا کہ جب تک میں اُن سے نہ ملوں میں چلتا ہی رہوں گا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاكَ لَا أُبْرُحُ حَتَّىٰ أَلْبُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا﴾⁽¹⁾

”اور جب موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا کہ میں نہ ہٹوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ

پر پہنچ جاؤں یا سارا سال چلتا جاؤں۔“

لہذا کسی بھی طالب علم کے لیے گھر چھوڑنا اولین شرط ہے۔ حصولِ علم کی ناگزیر ضرورت ہوتی ہے۔ آج کل بعض دنیا دار لوگ جو اپنے بچوں کی ٹیوشن کے لیے یہاں تک کہ قرآن پڑھانے کے لیے بھی استاد کو اپنے گھر بلاتے ہیں۔ اس میں علم کی بے ادبی ہے اور اس طرح حاصل کیا گیا علم بے برکت ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ کتب تاریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید جب حج کے لیے گیا تو مدینہ منورہ میں اس نے چاہا کہ امام مالک رحمہ اللہ اس کے صاحبزادوں امین اور مامون کو اس کے محل میں آکر انہیں حدیث پڑھائیں۔ آپ نے معذرت کر لی اور کہا کہ مسجد نبوی میں میرا درس حدیث مفتوح ہوتا ہے اور جو چاہے اس میں بلا روک ٹوک آسکتا ہے۔ آپ بھی اپنے صاحبزادوں کو بھجوا دیجیے۔ چنانچہ ہارون نے انہیں آپ کے درس میں بھجوایا لیکن وہ تاخیر سے پہنچے اور انہیں لوگوں کے جوتوں میں جگہ ملی لیکن امام مالک علیہ الرحمہ و قار سے اپنی جگہ درس دیتے رہے اور پروا انہیں کی کہ کون آتا اور کون جاتا ہے۔ چنانچہ شہزادوں نے درس سنا اور ختم ہونے پر اٹھ کر واپس آ گئے۔⁽²⁾

علمی لحاظ سے کم درجہ والے کو استاد بنانا

یہ ضروری نہیں کہ استاد شاگرد سے ہر لحاظ سے علم میں آگے ہو بلکہ جس مضمون یا فن میں شاگرد سیکھنا چاہتا ہے، اس میں استاد کا علم زیادہ ہونا چاہیے، اگرچہ مجموعی طور پر شاگرد استاد سے علم کیوں نہ ہو، مثلاً اگر ایک بڑا عالم کسی درزی کے پاس چلا جائے اور اس سے کپڑے سینا سیکھنا شروع کرے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ درزی عالم سے ہر لحاظ سے اعلم ہے۔ اسی طرح واقعہ مذکورہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر رسول تھے اور حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت بھی مشکوک ہے اور ظاہر ہے کہ رسول کا علم نبی سے زیادہ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی شاگردی اختیار کی۔ لہذا کسی بھی شاگرد کو چاہیے کہ وہ علم سیکھنے میں عار محسوس نہ کرے اور یہ نہ دیکھے کہ میرا استاد تو فلاں فن میں میرے جیسا ماہر نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جس علم یا فن کے سیکھنے کے لیے شاگرد استاد کے پاس جاتا ہے اُس میں استاد شاگرد سے اعلم ہو۔ یہی حال آج کل یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے فرض کیجیے پی ایچ ڈی کا ایک طالب علم اصول فقہ کے کسی ایک علمی نکتے پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنا چاہتا ہے اور اس مقالہ کے لیے نگران و مشرف پروفیسر صاحب علوم اسلامیہ کے سینئر استاد ہیں لیکن ان کا تخصص اصول فقہ میں نہیں ہے تو ممکن ہے اصول فقہ کے متعلقہ قضیہ میں طالب علم کا استاد سے زیادہ ہوا۔ اور اسی طرح کی صورت حال بعض اوقات تدریس میں بھی ہو سکتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شاگرد استاد کی عزت نہ کرے یا اس کے علم و تجربے سے استفادہ کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرے۔

اجازتِ تعلیم

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے اور اُن سے ملاقات ہو گئی تو سب سے پہلے پوچھا:

﴿هَلْ أَتَبَعَكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمَتْ رُشْدًا﴾^(۱)

”کیا میں تیرے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تو مجھے سکھائے اس میں سے جو تجھے ہدایت کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔“

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے اجازت حاصل کرنے کے لیے درخواست پیش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی طالب علم کے لیے سب سے پہلے اپنے استاد سے اجازت لینا انتہائی ضروری ہے۔ کسی بھی طالب علم کا یہ حق نہیں کہ وہ استاد کی اجازت کے بغیر اس سے کچھ سیکھے یا اس کے پاس رہے۔ اسی طرح کسی بھی

تعلیمی ادارے میں سربراہِ ادارہ کی اجازت کے بغیر سبق پڑھنا یا کلاس میں بیٹھنا ممنوع ہے۔ آج کل بعض تعلیمی اداروں کا یہ ایک بڑا مسئلہ ہے کہ بعض بچے داخلہ لیے بغیر ادارہ میں آکر تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بعض اوقات یہی پرائیویٹ بچے ادارہ کے تعلیمی ماحول کو خراب کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں کیونکہ وہ اصول و ضوابط کا احترام نہیں کرتے اور نہ ہی خود کو ان کا پابند تصور کرتے ہیں۔

خدمت کو طلبِ علم پر مقدم کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”کیا میں آپ کی اتباع کر سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے علم سکھادیں؟“ یعنی پہلے اتباع اور بعد میں طلبِ علم۔ اس میں اشارہ ہے کہ شاگرد کو چاہیے کہ وہ خود کو سو فیصد استاد کے حوالے کرے اور استاد کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھے۔ اسی طرح استاد طیبِ نفس اور فراخ دلی سے اُسے علم منتقل کرنے کی کوشش کرے۔

اظہارِ عاجزی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھادیں۔ اس جملہ میں کئی پہلوؤں سے عاجزی ظاہر ہوتی ہے مثلاً استاد کے علم کا اقرار اور اپنی بے علمی کا اظہار۔ اس کے علاوہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ مجھے وہ سب کچھ سکھادیں جو آپ کو ملا ہے بلکہ کہا کہ آپ اپنے علم کا کچھ حصہ مجھے بھی عطا فرمائیں۔ اس میں انتہائی عاجزی ہے کہ استاد کے ساتھ علم میں برابری کا مطالبہ نہیں بلکہ ایک حصہ کا طلب گار ہے۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس کی تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَتَالِثُهَا: أَنَّهُ قَالَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي وَهَذَا إِقْرَارٌ لَهُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْجَهْلِ وَعَلَى أَسْتَاذِهِ بِالْعِلْمِ. وَرَابِعُهَا: أَنَّهُ قَالَ: مِمَّا عُلِّمْتُ وَصِغَةُ مَنْ لِلتَّبَعِيضِ فَطَلَبَ مِنْهُ تَعْلِيمَ بَعْضِ مَا عَلَّمَهُ اللَّهُ، وَهَذَا أَيْضًا مُشْعِرٌ بِالتَّوَاضُّعِ كَأَنَّهُ يَقُولُ لَهُ لَا أَطْلُبُ مِنْكَ أَنْ تَجْعَلَنِي مُسَاوِيًّا فِي الْعِلْمِ لَكَ، بَلْ أَطْلُبُ مِنْكَ أَنْ تُعْطِيَنِي جُزْأً مِنْ أَجْزَاءِ عِلْمِكَ.⁽¹⁾

1- الرازی، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین، فخر الدین، الامام، (م 606ھ)، مفاتیح الغیب (التفسیر

الکبیر)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1420ھ، بذیل الکھف 18: 66

”تیسری یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ مجھے علم سکھادیں۔ اس میں اقرار ہے اپنے جہل کا اور استاد کے علم کا۔ چوتھی یہ کہ من تبعیضیہ استعمال کیا ہے جس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علم دیا ہے مجھے اس میں سے کچھ سکھادیں یعنی یہ کہ علم میں آپ کے ساتھ برابری کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ آپ کے علم کا ایک حصہ چاہتا ہوں جو کہ عاجزی کی انتہا ہے۔“

لہذا کسی بھی طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود کو جاہل اور استاد کو اعلم تصور کرے، یوں وہ اپنے اندر عاجزی کی صفت پیدا کرے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اُس کو بلندی عطا فرمائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

"مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ"^(۱)

”جس نے اللہ کے لئے عاجزی اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرمائے گا۔“

استاد کا حکم ماننا

مذکورہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بلکہ یوں عرض کیا کہ کیا میں آپ کی اتباع کر سکتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد کو استاد کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔ استاد اور شاگرد کا صرف ایک جگہ رہنا نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک تربیتی عمل ہوتا ہے اور اس سے فائدہ اسی صورت میں زیادہ ہوتا ہے جب شاگرد اپنے آپ کو استاد کے حوالہ کر دے کہ وہ جو کچھ بنانا چاہے بنا سکے۔ اگر شاگرد اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارے تو شاید اسے گوہر مقصود حاصل نہ ہو سکے۔ آج کل یہ بھی ایک بڑا مسئلہ ہے کہ شاگرد استاد پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتا ہے، خصوصاً طلبہ یونین یا سٹوڈنٹ فیڈریشن کی صورت میں اجتماعی طور پر طلبہ وہ اپنے حقوق کے نام پر جو مطالبات کرتے ہیں ان میں اکثر و بیشتر کا تعلق توہین استاد یا توہین سربراہ ادارہ کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

مقصد حقیقی حصول علم ہو

مذکورہ واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں اس غرض سے آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے وہ علم سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب علم کسی استاد کے پاس جاتا ہے تو اس کا حقیقی مقصد حصول علم ہونا چاہیے نہ کہ کچھ اور۔ اسی طرح کسی دنیاوی فن کے ماہر کے پاس اگر کوئی

1 - البیہقی ، احمد بن الحسین بن علی ، ابوبکر ، شعب الایمان ، مکتبۃ الرشید ، ریاض ، 1423ھ ، رقم

رہے تو جس فن کے سیکھنے کا اس نے ارادہ کیا ہے وہی مقصدِ حقیقی ہو۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور مقصد غالب آجائے تو مطلوبہ علم یا فن کے حصول میں رکاوٹ آئے گی۔ جس طرح کہ آج کل تعلیمی ماحول ہے کہ طلبہ کے پیش نظر ڈگری کا حصول اور اس کی بنیاد پر ملازمت کا حصول ہوتا ہے۔ پڑھنے لکھنے اور علم حاصل کرنے میں انہیں زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی۔

شاگرد کا وقت ضائع نہ کرنا

مذکورہ آیات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں اس شرط پر آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے وہ علم سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد کا استاد کے پاس رہنے کا حقیقی مقصد حصولِ علم ہے لہذا استاد شاگرد کی علمی ترقی کا خیال رکھے اور صرف اپنی خدمت یا کوئی اور دنیوی غرض سامنے نہ رکھے۔ آج کل اس اصول پر بھی عمل نہیں ہو رہا بلکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض سکول اساتذہ سکول ٹائم میں تدریس پر توجہ نہیں دیتے بلکہ طلبہ کو ترغیب دیتے ہیں کہ شام کو ان کے پاس اکیڈمی میں ٹیوشن پڑھنے جائیں۔ اس سے نہ صرف طلبہ کے وقت کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ اسے مزید مالی بوجھ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح یونیورسٹیوں میں بھی بعض اساتذہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کو وقت اور توجہ نہیں دیتے۔ ان کے کام میں تاخیر ہوتی رہتی ہے اور بعض اوقات انہیں دوبارہ فیس دینا پڑتی ہے اور وقت میں توسیع کے لیے درخواستیں دینا پڑتی ہیں۔

طالب علم کی ذہن سازی

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دینے سے پہلے انہیں بتا دیا کہ میرے ساتھ رہنے میں آپ کو دشواریاں پیش آئیں گی۔ میں جو کام کروں گا وہ آپ کی سمجھ میں نہ آئیں گے اور آپ صبر نہ کر سکیں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا﴾⁽¹⁾

”کہا بے شک تو میرے ساتھ ہر گز صبر نہیں کر سکے گا، اور تو صبر کیسے کرے گا اس بات پر جو تیری سمجھ میں نہیں آئے گی۔“

لہذا استاد کو چاہیے کہ وہ پہلے سے شاگرد کی ذہن سازی کرے اور اسے علم کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں

اور تکالیف سے آگاہ کرے تاکہ اُس کے اندر مستقل مزاجی کی صفت پیدا ہو سکے۔ علامہ ابن عاشور نے یہی حقیقت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

"وَفِي هَذَا أَصْلٌ مِنْ أَصُولِ التَّعْلِيمِ أَنَّ يُنَبِّهَ الْمُعَلِّمُ الْمُتَعَلِّمَ بِعَوَارِضِ مَوْضُوعَاتِ الْعُلُومِ الْمَلْقَنَةِ لَا سِيَّمَا إِذَا كَانَتْ فِي مُعَالَجَتِهَا مَشَقَّةً."⁽¹⁾

”اس میں اصول تعلیم کا ایک بنیادی قانون ہے اور وہ یہ کہ استاد شاگرد کو تعلیم کے راستے میں آنے والے تمام عوارض و مشکلات سے آگاہ کرے خصوصاً اگر اس کے حصول میں مشقت بھی زیادہ ہو۔“

اسی مقصد کی خاطر آج کل داخلہ دینے سے پہلے انٹرویو کیا جاتا ہے جس میں طالب علم کی جستجو اور صلاحیت کا معائنہ کر کے داخلہ دینے یا نہ دینے کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ استاد کا شاگرد کے سامنے اپنا علمی مرتبہ بیان کرنا

استاد کو چاہیے کہ پہلے دن طلبہ کے سامنے اپنا تعارف کرائے، انہیں اپنے علمی مقام اور ڈگریوں سے مطلع کر کے ان پر ایک قسم کا رعب ڈالنے کی کوشش کرے تاکہ ذہنی طور پر وہ استاد کی عزت و احترام کے لیے تیار ہو جائیں اور علمی تکبر و غرور سے محفوظ رہیں۔ جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پاس ایسا علم ہے جو تیرے علمی احاطہ میں نہیں آسکتا تو تم میرے ساتھ کیسے گزارہ کرو گے؟ امام رازی نے اپنی تفسیر میں اس نکتہ کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

"وَأَمَّا الْمُعَلِّمُ فَإِنْ رَأَى أَنَّ فِي التَّغْلِيظِ عَلَى الْمُتَعَلِّمِ مَا يُفِيدُهُ نَفْعًا وَإِشَادًا إِلَى الْحَقِّ. فَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ ذِكْرُهُ فَإِنَّ السُّكُوتَ عَنْهُ يُوقِعُ الْمُتَعَلِّمَ فِي الْغُرُورِ وَالنَّخْوَةِ وَذَلِكَ يَمْنَعُهُ مِنَ التَّعَلُّمِ."⁽²⁾

”اگر استاد مناسب سمجھے کہ شاگرد کے ساتھ سختی سے پیش آنے میں اس کا نفع ہے اور یوں وہ بھلائی کی طرف آسکتا ہے تو استاد کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر استاد ایسا نہ کرے تو اس سے

1- ابن عاشور، محمد طاهر، التحرير و التنوير، بذیل الکھف 18: 67 تا 68

2- مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، بذیل الکھف 18: 68

شاگرد تکبر و غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے جو تحصیل علم کے لئے رکاوٹ ہے۔“
لہذا استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کے ساتھ ایک مناسب فاصلہ برقرار رکھے۔ اپنا علمی وقار اُن کے سینوں میں جمائے رکھے تاکہ استاد کا رعب اور عظمتِ شان اُن پر واضح ہو اور وہ استاد کو ایک عام دوست کی طرح نہیں بلکہ ایک مربی کی طرح سمجھیں اور ایک قسم کا خوف اُن کے دلوں میں موجزن ہو۔
شرائط و ضوابط

حضرت خضر علیہ السلام نے جب محسوس کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر حال میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اپنی طرف سے یہ شرط لگائی کہ جب تک میں کسی بات کی تفصیل نہ بتا دوں آپ کسی بھی معاملہ میں پہل کر کے مجھ سے نہ پوچھیں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿قَالَ فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾⁽¹⁾

”کہا پس اگر تو میرے ساتھ رہے تو مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کر یہاں تک کہ میں خود تیرے سامنے اس کا ذکر کروں۔“

لہذا کسی بھی استاد یا ادارہ کو پہلے سے باقاعدہ واضح طور پر اپنے شرائط و ضوابط کا پیش کرنا ضروری ہے، تاکہ داخلہ لینے والا ان سے بخوبی آگاہ ہو، اگر وہ شرائط و ضوابط کی پابندی کر سکتا ہو تو داخلہ لے گا ورنہ چھوڑ دے گا۔
بے موقع سوال نہ کرنا

مذکورہ آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پابندی لگائی کہ جب تک میں بولنے کی اجازت نہ دوں آپ سوال نہ کریں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی بھی طالب علم کے لیے سوال کے آداب سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے، اُسے چاہیے کہ اُستاد کا مزاج معلوم کرے اگر استاد لیکچر کے درمیان سوال کرنا پسند نہ کرتا ہو تو اُسے چاہیے کہ اثنائے لیکچر سوال نہ کرے بلکہ ذہن میں اگر کوئی سوال آئے تو اپنے پاس نوٹ کر لے اور آخر میں پوچھ لیں۔ البتہ اگر استاد کی طرف سے ہر وقت پوچھنے کی اجازت ہو تو درمیان لیکچر بھی سوال کر سکتا ہے۔

استاد پر اعتراض کرنے کا حق

مذکورہ واقعہ میں جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو نقصان پہنچایا، بلا وجہ خوبصورت بچہ کو قتل کیا اور بلا معاوضہ

ایک ایسی قوم کی دیوار کو درست کیا جنہوں نے انہیں کھانا کھلانے سے انکار کیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر دفعہ اپنے استاد پر اعتراض کیا اور خاموش نہ رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر استاد کوئی ایسی بات کہے یا ایسا کام کرے جو شاگرد کے ذہن میں نہ آئے تو اسے ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کی کئی مثالیں ہمارے اسلاف میں بھی موجود ہیں، یہاں امام بخاریؒ کا ایک واقعہ مثلاً ذکر کیا جاتا ہے:

"فَجَعَلْتُ اخْتَلَفَ إِلَى الدَّاحِلِي، وَغَيْرِهِ، وَقَالَ يَوْمًا فِيمَا كَانَ يَقْرَأُ لِلنَّاسِ: سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزَّبِيرِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا فَلَانٍ إِنَّ أَبَا الزَّبِيرِ لَمْ يَرَوْ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فَانْتَهَرَنِي. فَقُلْتُ لَهُ: أَرْجِعْ إِلَى الْأَصْلِ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ، فَدَخَلَ وَنَظَرَ فِيهِ ثُمَّ خَرَجَ. فَقَالَ لِي: كَيْفَ هُوَ يَا غَلَامُ؟ فَقُلْتُ: هُوَ الزَّبِيرُ بْنُ عَدِي عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فَأَخَذَ الْقَلَمَ مِنِّي وَأَصْلَحَ كِتَابَهُ، وَقَالَ: صَدَقْتُ."⁽¹⁾

”(امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ) میں امام داغلی کے پاس آنا جانا تھا اور ایک دن وہ لوگوں کو پڑھا رہے تھے کہ ”سفیان نے ابو زبیر سے اور انہوں نے ابراہیم سے نقل کیا ہے“ تو میں نے انہیں کہا حضرت! ابو زبیر نے ابراہیم سے کبھی روایت نقل نہیں کی ہے۔ انہوں نے مجھے جھڑکا۔ میں نے کہا اپنی اصل (کتب) کی طرف رجوع کریں اگر وہ آپ کے پاس ہے، چنانچہ وہ اندر چلے گئے اُس میں دیکھا اور نکل کر مجھے کہا اے بچے وہ کیسا ہے؟ تو میں نے کہا کہ زبیر بن عدی ہے جو ابراہیم سے نقل کرتا ہے۔ انہوں نے مجھ سے قلم لیا اور اپنا نسخہ درست کر کے کہنے لگے: تو نے سچ کہا۔“

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر شاگرد استاد کی کسی بات کو نہ سمجھے تو خاموش نہیں رہنا چاہیے بلکہ اشکال رفع کرنے کے لیے استاد سے پوچھے۔ اگر شاگرد نہ سمجھے اور خاموش رہے تو یہ اپنے ساتھ خیانت ہے۔ حصولِ تعلیم میں اس قدر زیادہ شرم قابلِ مدح نہیں جو سوال کے لیے بھی مانع ہو جائے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے:

قَالَ مُجَاهِدٌ: «لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ» وَقَالَتْ عَائِشَةُ: «نِعَمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْنَهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ»⁽²⁾

1- الخطيب البغدادي، تاريخ بغداد و ذبوله، دار الكتب العلمية بيروت، 1417 هـ، 2: 7

2- البخاري، الجامع الصحيح، كتاب العلم، باب الحياء في العلم، 1: 38

”مجاہد نے فرمایا کہ زیادہ حیاء کرنے والا اور تکبر کرنے والا علم حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انصار کی عورتیں بہت اچھی ہیں حیاء نے ان کو دین سمجھنے سے منع نہیں کیا۔“

البتہ یہ ضروری ہے کہ سوال کرتے ہوئے ادب کا دامن تھامے رکھنا چاہیے۔ اچھے طریقے سے سوال کرنے کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"الْإِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ، وَالتَّوَدُّدُ إِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ، وَحُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ." (۱)

”خرچہ میں میانہ روی نصف معیشت ہے، لوگوں سے محبت کرنا نصف عقل ہے اور اچھے طریقے سے سوال کرنا نصف علم ہے“

طالب علم کے اندر جستجو کی صفت پیدا کرنا

مذکورہ واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے کئی ایسے کام کیے جو فی الوقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھ سکے اور مزید یہ کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی حکمت بھی نہ بتائی۔ اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ استاد کو کبھی کبھار شاگرد کو ایسا موقع دینا چاہیے کہ وہ شاگرد کے سامنے نیا لفظ یا سوال پیش کرے یا کوئی ایسی اصطلاح استعمال کرے جو شاگرد کو سوچنے پر مجبور کرے اور پھر فوراً اُس کا مطلب نہ بتائے بلکہ سوچنے کا موقع دے یا گھر کے کام کے طور پر چھوڑ دے پھر دوسرے دن اُس کے بارے میں پوچھے۔ اس طرح طالب علم کے اندر سوچنے، فیصلہ کرنے اور تخلیقی کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جو کہ تحقیق کی بنیاد ہے۔

شاگرد کو تنبیہ اور تدریجی سزا

مذکورہ واقعہ میں جب پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرائط و ضوابط سے ہٹ کر حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض کیا تو انہوں نے نرمی سے سمجھایا کہ میں نے تو کہا تھا کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے۔ دوسری دفعہ بولنے پر تھوڑی تنبیہ کر کے سختی سے فرمایا کہ میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہیں ہو سکے گا، لیکن تیسری دفعہ بولنے پر صاف کہہ دیا کہ مزید میرا تیرا ایک جگہ اکٹھا رہنا نہیں ہو سکتا، آپ مجھ سے جدا ہو جائیے۔ اس سے ثابت ہوا کہ طالب علم اگر شرائط و ضوابط کے خلاف کوئی قدم اٹھائے تو اُسے نرمی سے سمجھا دیا جائے کہ

ایسا نہ کرو، یہ ہمارے اصولوں کے خلاف ہے۔ اگر وہ نہ مانا اور دوسری مرتبہ بھی غلطی کی تو تھوڑی سختی سے اُسے سمجھا دینا چاہیے اور وارننگ دینی چاہیے کہ اگر سہ بارہ ایسا کیا تو سخت سزا دی جائے گی۔ اگر وہ پھر بھی نہ سمجھے اور تیسری مرتبہ بھی اس نے وہی غلطی کر ڈالی تو اُسے سزا دینی چاہیے حتیٰ کہ اگر سزا دینے سے اُس کی اصلاح کا غالب گمان نہ ہو تو اسے ادارہ سے خارج کر دینا چاہیے تاکہ اور بچوں یا ادارہ کے ماحول کی خرابی کا سبب نہ بنے۔

عصر حاضر میں مغربی تہذیب کے زیر اثر ہمارے تعلیمی حلقوں میں یہ رواج پڑ گیا ہے کہ استاد کو کوئی حق نہیں کہ وہ طالب علم کو ڈانٹے ڈپٹے یا تھوڑی بہت سزا دے۔ حکومتی محکمے اس چیز کو ٹی وی اخبارات وغیرہ میں اتنا اچھالتے ہیں اور ہر سکول کے گیٹ پر استاد کی شکایت کرنے کے لیے فون نمبر لکھے ہوتے ہیں کہ اگر استاد طلبہ پر سختی کرے تو وہ استاد کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے لیے محکمہ کے افسران کو فون کرے۔ یہ ایک انتہا ہے جس میں اساتذہ کی سبکی ہے اور اس طرح کے ماحول میں طلبہ غیر مؤدب ہو جاتے ہیں اور استاد کی عزت نہیں کرتے اور جس تعلیمی ادارے کا یہ ماحول ہو کہ طلبہ استاد کی عزت اور ادب نہ کریں وہاں وہ کیا سیکھیں گے اور استاد انہیں کیا سکھائے گا۔

اس کے برعکس ایک دوسری انتہا ہے جس میں والدین جا کر استاد سے کہتے ہیں کہ جتنا چاہو ہمارے بیٹے کو مارو پیٹو، بس پڑھا دو۔ مذہبی تعلیم میں اور خصوصاً حفظ قرآن کی کلاس میں بعض اساتذہ طلبہ کو مارنا پناحق سمجھتے ہیں اور اس کے لیے شرعی دلیلیں دیتے ہیں۔ اور بعض مدارس میں خصوصاً جنوبی پنجاب کے دینی مدارس میں طلبہ کو زنجیروں میں جکڑ کر مارنے کی خبریں اخبارات اور ٹی وی کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ ظاہر ہے یہ تدریس کا غلط طریقہ ہے۔

صحیح طرز عمل اس ضمن میں یہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچا جائے، نہ تو طلبہ پر بلاوجہ تشدد کیا جائے اور نہ یہ کہ استاد کو بچوں کو ڈانٹنے کی اجازت ہی نہ ہو بلکہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"خیر الأمور أوسطها"¹

”بہترین کام وہ ہیں جن میں میانہ روی اختیار کی جائے۔“

لہذا ضروری ہے کہ طلبہ کو پیار و محبت سے پڑھایا جائے لیکن بوقت ضرورت استاد کو تنبیہ اور تادیب کرنے کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔

¹ - الجزری، ابن اثیر، مجد الدین ابوالسعادات، جامع الاصول فی احادیث الرسول، مکتبہ دارالبیان، بیروت، 1972، 10: 130

امثال امر

واقعہ مذکورہ میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی شرائط پر پورا نہ اترے تو بالآخر حضرت خضر علیہ السلام نے اُن کو اپنے سے جدا کرنے کا حکم دے دیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطیب خاطر قبول کیا۔ لہذا کسی بھی شاگرد کے لئے یہ ضروری ہے کہ استاد یا ادارہ کی طرف سے جو بھی تادیبی کارروائی (جرمانہ، سزا، یا ادارے سے اخراج وغیرہ کی صورت میں) کی جائے اُسے بخوشی قبول کرے اور کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کرے۔ آج کل خود غرضی اور مطلب پرستی کا یہ ایک بڑا مسئلہ ہے کہ جب تک بچہ کسی ادارہ میں پڑھتا رہتا ہے تو استاد بھی اچھا، ادارہ بھی اچھا، لیکن با امر مجبوری اگر ادارہ اُس کے لئے کوئی سزا تجویز کرے تو وہ کسی کو بھی معاف نہیں کرتا اور استاد یا منتظم یا ادارے کے خلاف ناروا اور منفی پروپیگنڈہ کرنے لگتا ہے ایسا نہیں کرنا چاہیے، اگر کسی طالب علم کی وجہ سے ادارہ کو نقصان ہو رہا ہو تو ادارہ اور خود اس طالب علم کی خیر خواہی میں انتظامیہ اگر یہ فیصلہ کرے کہ یہ طالب آئندہ یہاں نہ پڑھے تو اُسے بخوشی قبول کرنا چاہیے۔ اساتذہ اور ادارے اور بھی ہوتے ہیں اُسے چاہیے کہ کہیں اور داخلہ لے لے شاید یہ اُس کے حق میں مفید ہو۔

صبر اور دوام

حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام کے اس واقعے سے ہم یہ بھی سبق سیکھتے ہیں کہ طالب علم کو حصول علم کے دوران جو مشکلات پیش آئیں اسے ان پر صبر کرنا چاہیے اور عجلت اور بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہ طالب علم کو چاہیے کہ وہ مشکلات کے باوجود اسباق کا دورانیہ پورا کرے اور گھبرا کر درمیان ہی سے سلسلہ تعلیم چھوڑ نہ دے۔ استاد کے ساتھ لمبی مصاحبت طالب علم کے لیے ہمیشہ مفید ہوتی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اپنے استاد حماد کے سامنے اٹھارہ سال تک زانوئے تلمذ تہہ کیے رکھا اور جب تک وہ زندہ رہے ادباً اور مزید سیکھنے کے لیے کبھی مسند تدریس پر نہیں بیٹھے۔^(۱) مسلم تاریخ کا وہ دور جسے ہم علمی طور پر سنہری دور کہتے ہیں اس کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں طالب علم اپنے استاد کے ساتھ طویل عرصہ تک رہتا تھا یہاں تک کہ وہ استاد کا سارا علم حاصل کر لیتا اور استاد کی فکر اور عمل کا رنگ اس پر خوب چڑھ جاتا اور وہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک محترم استاد اور محقق کا درجہ حاصل کر لیتا۔

آج کل کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں سمسٹر سسٹم رائج ہے وہاں طلبہ کو استاد کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع نہیں ملتا۔ تین چار مہینے کا سمسٹر ہوتا ہے اور اس دوران جب طالب علم کو کسی موضوع کی سمجھ

¹۔ بستوی، عبدالحلیم قاسمی، احسن الہدایہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 1: 36

آنے لگتی ہے تو سمسٹر ختم ہو جاتا ہے اور نئے سمسٹر میں نیا موضوع شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علموں کا علم سطحی رہتا ہے اور اس میں گہرائی پیدا نہیں ہوتی۔

ایران کے علمی شہر قم میں نظام تعلیم یہ ہے کہ وہاں طالب علم بعض اوقات بیس سال سے زیادہ زیرِ تعلیم رہتا ہے۔ تعلیمی ادارہ میرٹ پر مستحق طلبہ کے تعلیم کے علاوہ رہائش، خوراک، شادی وغیرہ سارے اخراجات برداشت کرتا ہے تا آنکہ طالب علم اپنے تخصص کا ماہر اور رسوخ فی العلم رکھنے والا عالم بن کر نکلتا ہے۔ اور اس کا وجود معاشرے کے لیے علم و حکمت اور خیر کا نمونہ ثابت ہوتا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ سارا نظام پرائیویٹ سیکٹر میں ہے اور حکومت کے زیرِ انتظام نہیں۔

خلاصہ یہ کہ طالب علم کو چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح صبر کرے اور بے صبری کے مظاہرے سے بچے اور جس علم کے حصول کا اس نے قصد کیا ہے، اس وقت تک اپنے محاذ سے دستبردار نہ ہو جب تک وہ اسے حاصل نہ کر لے۔ اسی مصابرت اور دوام سے علم کے حصول کا حق ادا کیا جاسکتا ہے۔

خلاصۃ البحث

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علمی خزانے بڑے وسیع ہیں اور بندوں کو علم کا بہت تھوڑا سا حصہ دیا گیا ہے۔ کسی بھی بندے کو اپنے علمی مرتبہ پر فخر و غرور کی کوئی گنجائش نہیں۔ علم کی کوئی انتہاء نہیں، زندگی کے آخری دم تک حصول علم کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔ حصول علم کے راستے میں جو بھی رکاوٹیں اور تکالیف آتی جائیں، ہمت اور مستقل مزاجی سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اپنے استاد کی عزت و احترام کا حد درجہ خیال رکھنا چاہیے اور اپنی کامیابی کا راز استاد کی خدمت میں مضمر تصور کرنا چاہیے۔ استاد یا علمی ادارے کی طرف سے جو بھی اصول و ضوابط طے کیے جائیں ان پر من و عن عمل کرنا کسی بھی طالب علم کا اخلاقی فریضہ ہے۔

اسی طرح استاد کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ طالب علم کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھے۔ اُس کے قیمتی وقت کا ایک ایک سیکنڈ ضائع ہونے سے بچائے۔ پوری حکمت اور دانشمندی سے اُس کے علمی و اخلاقی نشوونما کے لیے کوشاں رہے۔ اگر طالب علم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے نرمی سے سمجھا دینا چاہیے اگر نہ سمجھے تو ذرا سختی سے پیش آنا چاہیے لیکن بالفرض اگر کوئی طالب علم بار بار غلطی کرے اور سزا و تنبیہ سے اصلاح نہ ہو سکے تو اسے علیحدہ کرنا چاہیے تاکہ ادارہ یا دوسرے طلباء اُس کے مضر اثرات سے محفوظ رہیں۔

فرشتوں کا کردار بائبل اور قرآن کریم کی روشنی میں تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالرشید قادری*

ABSTRACT

An Angel is generally a supernatural being found in various religions. Angels are often depicted as benevolent celestial beings who act as intermediaries between Allah or Heaven and Earth. Other roles of angels include protecting and guiding human beings and carrying out Allah's tasks. Angels are often organized into hierarchies, although such rankings may vary between sects in each religion and are given specific names or titles. The term "Angel" has also been expanded to various notions of spirits or figures found in various religious traditions. *Malaikah* are mentioned many times in the Quran. They are entrusted with various tasks by Allah and only follow His instructions. Angels are created from light they move very rapidly and permeate or penetrate all realms of existence. Angels do not sin or disobey as they do not have an evil commanding soul which can resist. They have fixed stations and so are neither promoted nor abased. They have no gender and do not eat or drink. From the first book of the Bible to the last these words occur nearly 400 times when spirit messenger are

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور

indicated in the words which can be translated as “angels” but if the reference is to human creatures, it means messengers. According to Bible angels are sometime termed as spirits which are invisible and powerful. The angels have the power to communicate with one another. They have the ability to speak various languages of men. According to the Bible from beginning to end the Holy Angel of God followed the earthly sojourn of Jesus with extreme interest. Angels joined with Michael to his war on the dragon and the demons at the birth of God’s Kingdom in heaven. They will also support the King of Kings in fighting the war of the great day of God, the Almighty.

KeyWords: فرشتہ، بائبل، قرآن، فلسفہ، ہیکل، یہود، سامی، عقل، عبرانی

لفظ ”فرشتہ“ فارسی زبان سے ماخوذ ہے جو اردو میں بھی اپنے اصل مفہوم اور ساخت کے ساتھ مستعمل ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مقدس و معصوم مخلوق ہیں جن کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ قدیم یونانی اور مصری فلسفے میں فرشتوں کے وجود کو کسی نہ کسی طرح تسلیم کیا گیا ہے صائبین ستاروں کی صورت میں یہ تسلیم کرتے ہیں اور وہ فرشتوں کی قربانی کے بھی قائل ہیں۔ وہ ان کے لیے ہیکل تعمیر کرتے ہیں اور انہیں اللہ کا مظہر مانتے ہیں۔ یونانی، مصری اور اسکندری روایات کی رو سے پارسی فرشتوں کو Amesha Spentose ’امشاسپند‘ پکارتے ہیں اور یہ دس عقلوں سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی آسمانوں کی ذی ارادہ مخلوق مانے جاتے ہیں۔ یہود فرشتوں کو ”کروہیم“ کہتے ہیں۔ اسی نام کو مسیحی بھی مانتے ہیں۔ مسیحی ”روح القدس“ کو اللہ کا جزو قرار دیتے ہیں۔ ہندو دھرم میں فرشتے دیوتاؤں اور دیویوں کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں۔ دین اسلام سے پہلے عرب ’فرشتوں‘ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور ان کی پوجا بھی کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے دربار میں ان کی سفارش کریں گے۔“ (1)

دین اسلام نے فرشتوں کے متعلق ان تمام نظریات کو رد کر دیا اور واضح کیا کہ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان کا کام اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ بننا اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل ہے۔

فرشتوں کو عربی میں ”ملائکہ“ کہتے ہیں جو ”ملک“ کی جمع ہے۔ الکسائی نے اس کی یوں وضاحت کی ہے:

”یہ لفظ دراصل (بتقدیم الہمزہ) مشتق از ’الک‘ ہے۔ ’الوک‘ کے معنی ’رسالت‘ اور ’پیغام رسانی‘ کے ہیں۔ پھر لام کو ’ہمزہ‘ سے مقدم کر کے اسے ’ملاک‘ پڑھا جانے لگا اور کثرت استعمال سے ’ہمزہ‘ گرا دیا گیا اور ’ملک‘ پڑھا جانے لگا۔ اس کی جمع میں پھر ’ہمزہ‘ لایا گیا اور اس صورت میں یہ لفظ ’ملائکہ‘ اور ’ملائک‘ ہو گیا۔“⁽¹⁾

اہل کتاب کی بائبل کی مشہور تفسیر "Insight on the Scriptures" میں فرشتوں کو پیغام رساں قرار دیا گیا ہے۔

“Both the Hebrew ‘Malkh and the Greek agigelos literally mean ‘messenger’”⁽²⁾

”یونانی اور عبرانی زبان میں فرشتے سے مراد پیغام پہنچانے والے مراد لیے جاتے ہیں۔“

فرشتوں کے لیے روحوں کی اصطلاح بھی بیان ہوئی ہے ایسی روحوں جو نظر آتی ہیں اور طاقتور بھی ہیں۔ یہی روحوں باہر آجاتی ہیں اور یہوواہ کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہیں یہ عام مخلوق کی طرح خدمت کے لئے نہیں ہوتیں۔⁽³⁾

فرشتوں کے بارے میں قدیم یہودی علماء کی مختلف آراء ہیں ان کا عقیدہ و نظریہ ہے کہ فرشتوں کی پیدائش روزانہ ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے کرتے آگ کے دریا میں ڈوب جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ابدی فرشتے دو ہیں۔ حضرت میکائیل اور حضرت جبرائیل۔ فرشتے عبرانی زبان بولتے ہیں یہودی علماء کی فرشتوں کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ فرشتوں کی پیدائش روزانہ ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا جیسا کہ

Eyclopedia Judaica میں بیان ہوا ہے⁽⁴⁾

(1) ابن منظور، ”لسان العرب“ دار صادر بیروت، ج: ۱۴، ص: 670

2-Insight on the Scriptures Mode in United State of America vol:1,p:106

3-Ibid

4-Encyclopedia Judaica 2nd, in association with Keter Publishing House Jerusalem. Edition, vol:2, P:156

فرشتوں کے بارے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحقیق یوں ہے:

”فرشتے پیغام رساں ہیں اور یہ ہر وہ کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کے ذمے لگاتا ہے۔ ملک کے اصل معنی عربی میں پیامبر کے ہیں اس کا لفظی ترجمہ فرستادہ یا فرشتہ ہے یہ محض متجرد قوتیں نہیں ہیں جو تشخص نہ رکھتی ہوں بلکہ یہ شخصیت رکھنے والی ہستیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنی اس عظیم الشان سلطنت کی تدبیر انتظام میں کام لیتا ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ سلطنت الہی کے اہل کار ہیں جو اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں۔ جاہل لوگ انہیں غلطی سے خدائی میں حصہ دار سمجھ بیٹھے اور بعض نے انہیں خدا کا فرشتہ دار سمجھا اور ان کو دیوتا بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی۔“⁽¹⁾

Insight on the scriptures میں فرشتوں کا ایک کردار یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ مسیحی عورتوں کے سر ڈھانپنے کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں اس لئے مسیحی اور یہودی عورتوں کو سر ڈھانپنے کا حکم ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ فرشتے خدا کے حضور منہ ڈھانپ کر حاضر ہوتے ہیں۔⁽²⁾

Encyclopedia Judaica میں موت کے فرشتے کے بارے میں مختلف نظریات بیان کیے گئے ہیں۔ ایک نظریہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے زمین پر خاص دیویاں ہیں جو موت دیتی ہیں۔ مگر یہ نظریہ یہودیوں نے رد کر دیا تھا۔⁽³⁾

اہل لغت نے فرشتہ یا ملک کا لغوی مفہوم پیغام رساں یا Messenger قرار دیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام فرشتے خبر رساں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مختلف امور میں لگایا ہوا ہے۔ خبر رساں تو صرف حضرت جبرئیلؑ ہیں۔ اس بات کی تصدیق مولانا عبد الرحمن کیلانی نے بھی کی ہے وہ فرماتے ہیں:

”ملک جمع ملائکہ کا مادہ لاک ہے جس کے معنی پیغام پہنچانا ہے۔ الاکۃ الی فلاں بمعنی کسی کو پیغام پہنچانا اور اللکی بمعنی میرا پیغام اسے دینا اور ملاک اور ملک بمعنی پیغام رساں فرشتہ اور ملک بمعنی فرشتہ شرعی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور اس میں یہ تخصیص بھی نہیں کہ وہ ضرور پیغام رساں ہو۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تدبیر کائنات پر مامور ہیں۔ بادلوں کا فرشتہ، موت کا فرشتہ، جنت اور دوزخ کے فرشتے سب کے لیے ملک اور ملائکہ

1- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ج: 1، ص: 162

2- Insight on the Scriptures Mode in United State america vol:1, p 107-

3- Encyclopedia Judaica 2nd Edition, , Association with Keter Publishing House Jerusalem, vol: 2, P: 147

کالفظ استعمال ہوتا ہے حالانکہ یہ پیغام رساں نہیں ہیں۔⁽¹⁾

قرآن کریم کی روشنی میں فرشتوں کا کردار

قرآن کریم میں ملائکہ اور ملک کالفظ 91 مرتبہ مختلف کرداروں میں استعمال ہوا ہے۔ ملک کی جمع ملائکہ کے ہیں جس کے معنی فرشتے کے ہیں لغوی معنی قاصد اور پیغام رساں کے ہیں۔ قرآن کریم میں ملائکہ کے لئے رسل کالفظ بھی استعمال ہوا ہے فرشتوں کو وہی علم ہے جو انہیں اللہ نے عطا کیا ہے جب انہیں ابوالبشر حضرت آدمؑ کے علمی جوہر دکھائے گئے تو نہایت عجز و انکساری سے اللہ تعالیٰ کے حضور یوں اقرار کرنے لگ گئے۔

﴿قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾⁽²⁾

”ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا

رکھا ہے، پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے۔“

• فرشتوں ہی نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ

مِنَ الْكَافِرِينَ﴾⁽³⁾

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے

انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔“

• قرآن کریم میں اعلیٰ درجے کے فرشتوں کے نام مذکور ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ جو ان فرشتوں سے دشمنی کرے گا وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہو گا۔

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ

لِلْكَافِرِينَ﴾⁽⁴⁾

”جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور رسولوں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو، ایسے

کافروں کا دشمن خود اللہ ہے۔“

1- کیلانی، مولانا عبد الرحمن، ”مترادفات القرآن“ مکتبہ الاسلام و سن پورہ، لاہور نومبر 2000ء، ص: 66

2- البقرہ: 32

3- البقرہ: 34

4- البقرہ: 98

- قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ فرشتوں کے پر ہیں جن کے ذریعے وہ سفر طے کرتے ہیں۔
﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنَحَةٍ مِّثْنَى وَثُلَاثَ وَرَبَاعٍ﴾⁽¹⁾
- ”اس اللہ کے لئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداء) آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے والا ہے۔“
• ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلَكُوتُ وَالْأُولُو الْأَعْلَامِ﴾⁽²⁾
- ”اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے۔“
- فرشتوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خبر بھی دی۔
﴿فَتَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمَحَارِبِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾⁽³⁾
- ”پھر فرشتوں نے اس کو آواز دی جب وہ حجرے کے اندر نماز میں کھڑے تھے کہ بے شک اللہ تجھ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے ایک حکم کی گواہی دے گا، وہ سردار ہو گا اور عورت کے پاس نہ جائے گا اور صالحین میں سے نبی ہو گا۔“
- ﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾⁽⁴⁾
- ”جب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم بے شک اللہ تجھے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا صاحب جاہ و منزلت ہو گا دنیا اور آخرت میں قرب اللہ ہو گا۔“
- معرکہ حق و باطل میں فرشتے حق والوں کی مدد کے لئے آتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا
﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ﴾

1- فاطر: 35

2- آل عمران: 18

3- آل عمران: 39

4- آل عمران: 45

﴿مُنْزِلِينَ﴾⁽¹⁾

”جب آپ مومنوں سے فرماتے تھے کیا یہ تمہیں کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری مدد کے لئے تین ہزار اتارے گا۔“

﴿بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ﴾⁽²⁾

”ہاں اگر تم صبر کرتے رہو اور پرہیزگاری قائم رکھو اور وہ (کفار) تم پر اسی وقت (پورے) جوش سے حملہ آور ہو جائیں تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے گا۔“

• فرشتے اللہ کا حکم بجالاتے ہیں وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی یا سستی نہیں کرتے وہ ہر وقت اللہ کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ﴾⁽³⁾

”اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تم پر (فرشتوں کو بطور) نگہبان بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے (تو) ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ خطا (یا کوتاہی) نہیں کرتے۔“

• ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق متقی لوگوں کو راہ حق پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾⁽⁴⁾

”جب تیرا رب فرشتوں کو وحی بھیجی تھی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔“

• روح القدس اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر آتے ہیں۔

﴿تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّن كُلِّ أَمْرٍ﴾⁽¹⁾

1- آل عمران: 124

2- آل عمران: 125

3- الانعام: 61

4- الانفال: 12

”اس (رات) میں فرشتے اور روح الامین (جبرائیل) اپنے رب کے حکم سے (خیر و برکت کے) ہر امر کے ساتھ اترتے ہیں۔“

﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ﴾⁽²⁾

”اس (کے عرش) کی طرف فرشتے اور روح الامین عروج کرتے ہیں۔“

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرَجُوا أَنفُسَهُمْ﴾⁽³⁾

”اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے کہ تم اپنی جانیں جسموں سے نکالو۔“

• سورہ السجدہ میں روح قبض کرنے والے فرشتے کے لیے صیغہ واحد استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ﴾⁽⁴⁾

”تم فرما دو تمہیں موت کا فرشتہ موت دیتا ہے جو تم پر مقرر ہے۔“

• قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام کے درمیان رابطے کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ﴾⁽⁵⁾

”اور ہر بشر کی مجال نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے۔“

• قرآن کریم میں رسول ﷺ کی نسبت بھی فرمایا گیا حضرت جبرائیلؑ نے یہ قرآن آپ ﷺ کے دل پر نازل کیا۔

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾⁽⁶⁾

1- القدر: 4

2- المعارج: 4

3- الانعام: 93

4- السجدہ: 11

5- الشوری: 42

6- البقرہ: 97

”آپ فرمادیں: جو شخص جبریل کا دشمن ہے کیونکہ اس نے اس کو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔“

• فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نافرمان اور بُرے اعمال کرنے والے لوگوں پر عذاب نازل کرتے ہیں جیسا کہ حضرت لوطؑ کی نافرمان قوم پر عذاب نازل کیا گیا تھا:

﴿قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصْلُوَا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ﴾⁽¹⁾

”فرشتے کہنے لگے اے لوط ہم تیرے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں وہ لوگ تم تک نہیں پہنچ سکتے تم اپنے گھر والوں کو راتوں رات لے جاؤ اور تم میں سے کوئی پیٹھ پھیر کر نہ دیکھے۔“

• قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کی ہر بات کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی لکھ دیتے ہیں اور وہ اس کی نگرانی کرتے ہیں:

﴿سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾⁽²⁾

”تم میں سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کہے یا پکار کر کہے اور جو شخص رات میں کہیں چھپ جائے یا دن میں چلے پھرے یہ سب برابر ہیں، ہر شخص کی حفاظت کے لیے کچھ فرشتے ہیں اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔“

• قرآن کریم میں انسان کی ہر بات کو لکھنے والے فرشتوں کو کراماتین کہا گیا ہے:

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ﴾⁽³⁾

”حالانکہ تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں (جو) بہت معزز ہیں لکھنے والے ہیں۔“

• فرشتے انسانوں کے اعمال کے مطابق درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم کے نزول کا ذریعہ ہیں متقی لوگوں کا روز قیامت فرشتے آگے بڑھ کر استقبال کریں گے جیسا کہ سورہ الانبیاء میں ارشاد ہوا ہے:

﴿لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ

1- ہود: 81

2- الرعد: 10، 11

3- الانفطار: 10، 11

تُوْعَدُونَ ﴿١﴾

”سب سے بڑی ہولناکی انہیں رنجیدہ نہیں کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے): یہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا۔“

• روز محشر فرشتے صالحین کو جنت کی خوشخبری دیں گے اور انھیں مخاطب کر کے کہیں گے تم اچھے کردار کے لوگ ہو اب تمہیں کوئی خوف نہیں ہوگا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾ (2)

”بے شک جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور جنت میں خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست تھے اور آخرت میں بھی، اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم جو وہاں مانگو گے ملے گا۔“

• اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور ایمان والوں کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ اور فرشتوں والا عمل کریں۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (3)

”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور سلام پڑھو۔“

• قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتے زمین کی مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور بخشش مانگتے رہتے ہیں:

﴿وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَن فِي الْأَرْضِ﴾ (4)

”فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو زمین میں ہیں

1- الانبیاء: 103

2- حم السجده: 30

3- الاحزاب: 56

4- الشوری: 5

بخشش طلب کرتے رہتے ہیں۔“

• قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتے ان لوگوں پر لعنت کرتے ہیں جو حالت کفر میں رہتے ہیں اور حالت کفر میں مرتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾⁽¹⁾

”بیشک جنہوں نے کفر کیا اور اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہی تھے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔“

• قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ جہنم کے چوکیدار بھی فرشتے ہوں گے۔ وہ کافروں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ وہ فرشتے کافروں سے سوال بھی کریں گے کہ کیا تمہارے پاس راہ راست دکھانے والے انبیاء تشریف نہیں لائے تھے:

﴿وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتَبَحَثُوا آبِهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾⁽²⁾

”اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ دوزخ کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچیں گے تو اُس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے داروغے اُن سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں اس دن کی پیشی سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے، لیکن کافروں پر فرمان عذاب ثابت ہو چکا ہو گا۔“

• قرآن کریم کے مطابق دوزخ کے فرشتے سخت مزاج اور طاقتور ہیں:

﴿عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾⁽³⁾

”جس پر سخت مزاج طاقتور فرشتے ہیں جو کسی بھی امر میں جس کا وہ انہیں حکم دیتا ہے اللہ کی نافرمانی

1-البقرہ: 161

2-الزمر: 71

3-التحریم: 6

نہیں کرتے اور وہی کام انجام دیتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“

• قرآن کریم میں سورۃ المدثر میں فرمایا گیا ہے کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد (19) ہے:

﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾⁽¹⁾

”اس پر انیس داروغہ ہیں۔“

• قرآن کریم میں جہنم کے نگران فرشتوں کو ’الزبانیہ‘ کے نام سے بھی منسوب کیا گیا ہے:

﴿سَنَدُّعُ الزَّبَانِيَةَ﴾⁽²⁾

”ہم بھی عنقریب سپاہیوں کو بلا لیں گے۔“

• قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ جنت کے بھی محافظ اور پاسباں فرشتے ہیں وہ جنت والوں کے لیے سلامتی کی دعا کریں گے اور انہیں کہیں گے کہ خوش ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ:

﴿وَسَيَقُ الِّلَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاؤُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾⁽³⁾

”اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے انہیں جنت کی طرف گروہ درگروہ لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے اور اُس کے دروازے کھولے جائیں گے تو اُن سے وہاں کے نگران کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم خوش و خرم رہو سو ہمیشہ رہنے کے لئے اس میں داخل ہو جاؤ۔“

• فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں، اللہ کی حمد و تسبیح کرتے رہتے ہیں اور عرش عظیم کا احاطہ کیے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرشتوں کے اس کردار کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَتَكْرِى الْمَلَائِكَةُ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ﴾⁽⁴⁾

”اور آپ فرشتوں کو عرش کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے دیکھیں گے جو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہوں گے۔“

• فرشتوں نے عرش عظیم کو اٹھائے ہوئے ہے فرشتے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو انسان اللہ تعالیٰ کو مانے

1- المدثر: 30

2- العلق: 18

3- الزمر: 73

4- الزمر: 75

تو وہ اس کے لیے اللہ کی بارگاہ میں مغفرت طلب کرتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾⁽¹⁾

”جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اُس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اے ہمارے رب! تو رحمت اور علم سے ہر شے کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے، پس اُن لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔“

• قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے روز آٹھ فرشتے عرش عظیم کو اٹھائیں گے:

﴿وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾⁽²⁾

”اور فرشتے اس کے کناروں پر کھڑے ہوں گے، اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن ان کے اوپر آٹھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔“

• قیامت کے روز فرشتے اور روح الامین اللہ کے حضور صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے قرآن مجید میں تذکرہ موجود ہے:

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾⁽³⁾

”جس دن جبرائیل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی لب کشائی نہ کر سکے گا، سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ نے اذن دے رکھا تھا اور اس نے بات بھی درست کہی تھی۔“

فرشتے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں قرآن کریم میں ان فرشتوں کو الملاء الاعلیٰ کے لقب سے نوازا ہے جیسا کہ سورہ الصفت میں وضاحت کی گئی ہے فرشتوں کی اللہ تعالیٰ سے یہ ہم کلامی کو نہ کوئی شیطان سن سکتا ہے اور نہ کسی انسان کو معلوم ہوتی ہے۔

1- المؤمن: 7

2- الحاقة: 17

3- النباء: 38

﴿لَا يَسْتَعِينُونَ إِلَى الْمَلِكِ الْأَعْلَى وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ﴾⁽¹⁾

”وہ عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور اُن پر ہر طرف سے پھینکے جاتے ہیں۔“

فرشتے آسمان کی حفاظت کرتے ہیں شیاطین کو مار بھگا دیتے ہیں شیاطین کی آسمانوں پر رسائی نہیں ہو سکتی۔

﴿ذُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شَهَابٌ ثَاقِبٌ﴾⁽²⁾

”اُن کو بھگانے کے لئے اور اُن کے لئے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو ایک بار جھپٹ کر اُچک لے تو چمکتا

ہو اانگارہ اُس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔“

• قرآن کریم میں یہ بھی بیان ہو ہے کہ مشرک فرشتوں کو عورتیں قرار دیا حالانکہ وہ اللہ کے بندے ہیں:

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ

شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ﴾⁽³⁾

”اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ رحمان کے بندے ہیں عورتیں قرار دیا ہے، کیا وہ اُن کی پیدائش

پر حاضر تھے؟ اب اُن کی گواہی لکھ لی جائے گی اور اُن سے باز پرس ہوگی۔“

• حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت مریمؑ کے پاس بھی فرشتے انسانی شکل میں آئے اور اللہ کا فرمان سناتے

رہے:

﴿وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ

جَاءَ بِعِجْلٍ﴾⁽⁴⁾

”اور بیشک ہمارے فرستادہ فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انہوں نے سلام کہا،

ابراہیم نے بھی سلام کہا، پھر دیر نہ کی یہاں تک کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔“

﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكٍ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ

الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ

وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ

مِنْهُمَا مَا يَفْعَرُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ﴾⁽⁵⁾

1- الصفت: 8

2- الصفت: 10، 9

3- الزخرف: 19

4- ہود: 69

5- البقرہ: 102

”اور وہ اس چیز کے پیچھے لگ گئے تھے جو سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ کفر تو شیطانوں نے کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس کے پیچھے لگ گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا۔ وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے یہاں تک کہ کہہ دیتے کہ ہم تو محض آزمائش ہیں سو تم کافر نہ بنو، اس کے باوجود وہ ان دونوں سے ایسا سیکھتے تھے جس کے ذریعے شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے۔“

• ہاروت اور ماروت کے بارے میں مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے:

”انہوں نے بازار ساحری میں اپنی دکان لگائی ہوگی۔ دوسری طرف اتمام حجت کے لیے ہر ایک کو خبردار بھی کر دیتے ہوں گے کہ دیکھو یہ تمہارے لیے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں تم اپنی عاقبت خراب نہ کرو مگر اس کے باوجود اس کے پیش کردہ عملیات اور نقوش اور تعویذات پر ٹوٹ پڑتے ہوں گے۔“⁽¹⁾

محدث عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہاروت و ماروت کے بارے میں مختلف ہے:

”ہاروت و ماروت شہر بابل میں دو شخص تھے جن کو لوگ نیک چلن کی وجہ سے فرشتہ کہتے تھے۔ ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا۔ یہ دو شخص اس فن سے بھی واقف تھے مگر اس کو برا سمجھتے تھے یہاں تک کہ جو شخص ان کے پاس سیکھنے آتا اس سے یہ کہہ دیتے کہ بھائی اللہ نے یہ علم ہم کو تمہاری آزمائش کے لیے دیا ہے اس کو نہ سیکھو ورنہ ایمان جاتا رہے گا۔“⁽²⁾

بائبل کی روشنی میں فرشتوں کا کردار

شروع سے آخر تک بائبل میں فرشتہ ”Angel“ کا لفظ تقریباً چار سو (400) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ کتاب پیدائش میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے فرشتے کی ملاقات کا تذکرہ موجود ہے اور فرشتہ نے انھیں بیٹے کی بشارت دی فرشتہ کو پیغام رساں کہا گیا ہے۔

”اور وہ خداوند کے فرشتہ کو بیابان میں پانی کے ایک چشمہ کے پاس ملی یہ وہی چشمہ ہے جو شور کی راہ پر ہے اور اس نے کہا اے ساری کی لونڈی ہاجرہ تو کہاں سے آئی ہے اور کدھر جاتی ہے، اس نے کہا کہ میں اپنی بی بی ساری کے پاس سے بھاگ آئی ہوں۔ خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو اپنی

1- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ج: 1، ص: 98

2- حقانی، عبدالحق، تفسیر حقانی میر محمد کتب خانہ کراچی، 1969ء، ج: 1، ص: 455

نبی کے پاس لوٹ جا اور اپنے کو اس کے قبضہ میں دے اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اس کا شمار نہ ہو سکے گا۔ اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے تیرے بیٹا ہو گا اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔“⁽¹⁾

• ایوب کی کتاب میں فرشتوں کو خداوند کے بیٹے قرار دیا گیا ہے:

”اور ایک دن خدا کے بیٹے آئے کہ خداوند کے حضور حاضر ہوں اور ان کے درمیان شیطان بھی آیا۔“⁽²⁾

• فرشتے شادی بیاہ نہیں کرتے:

”کیونکہ قیامت میں بیاہ شادی نہ ہوگی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہوں گے۔“⁽³⁾

• فرشتے تخلیق اول ہیں اور ان کے ہوئے کائنات کی مخلوقات کو پیدا کیا گیا ہے:

”وہ ان دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا ان دیکھی، تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومت یا اختیارات سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں اور وہ سب چیزوں سے پہلے ہے اور اسی میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں۔“⁽⁴⁾

• آسمان اور ستارے فرشتوں کی تخلیق سے قبل بنائے گئے۔ زمین فرشتوں کی پیدائش کے بعد بچھائی گئی:

”تو کہاں تھا جب میں نے زمین کی بنیاد ڈالی۔ تو دانش مند ہے تو بتا کیا تجھے معلوم ہے کس نے اس کی ناپ ٹھہرائی اور کس نے اس پر سوت کھینچا؟ کس چیز پر اس کی بنیاد ڈالی گئی یا کس نے اس کے کونے کا پتھر بٹھایا، جب صبح کے ستارے مل کر گاتے تھے اور خدا کے سب بیٹے خوشی سے چہکارتے تھے۔“⁽⁵⁾

• فرشتوں کی گنتی نہیں کی جاسکتی یہ بے شمار ہیں اور کثرت سے خداوند کے حضور رہتے ہیں:

”اس کے حضور سے ایک آتشی دریا جاری تھا ہزاروں ہزار اس کی خدمت میں حاضر تھے اور

1- کتاب مقدس پیدائش 16: 7-12

2- کتاب مقدس، ایوب 1: 6

3- کتاب مقدس، متی 22: 30

4- کتاب مقدس، کلیسوں: 1: 15-17

5- کتاب مقدس، ایوب 38: 4-7

لاکھوں لاکھ اس کے حضور کھڑے تھے، عدالت ہو رہی تھی اور کتابیں کھلی تھیں۔“⁽¹⁾

فرشتوں کی درجہ بندی:

بائبل کے مطابق فرشتے اگرچہ غیر مری دائرے میں رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی درجہ بندی کر دی ہے، سب سے طاقتور اور صاحب اقتدار فرشتہ (Michael) میکائیل ہے۔ حضرت میکائیل بائبل کی تعلیمات کے مطابق سب سے طاقتور فرشتہ ہے۔

میکائیل کے معنی عبرانی زبان میں ”کون خدا کی مانند ہے“ بائبل کے مطابق یہ مقرب فرشتہ ہے جس کی خاص ذمہ داری یہودی قوم کی دیکھ بھال اور حمایت تھی جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے:

”اور اس وقت میکائیل مقرب فرشتہ جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لیے کھڑا ہے اٹھے

گا اور وہ ایسی تکلیف کا وقت ہو گا کہ ابتدائی اقوام سے اس وقت تک کبھی نہ ہوا ہو گا۔ اور اسی وقت

تیرے لوگوں میں سے ہر ایک جس کا نام کتاب میں لکھا ہو گا رہائی پائے گا۔“⁽²⁾

• یہ بھی بیان ہوا ہے کہ میکائیل نے ابلیس سے موسیٰ نبی کی لاش کے متعلق بحث و تکرار کی تھی:

”لیکن مقرب فرشتہ میکائیل نے موسیٰ کی لاش کی بابت ابلیس سے بحث و تکرار کرتے وقت لعن

طعن کے ساتھ اس پر نالاش کرنے کی جرأت نہ کی بلکہ یہ کہا کہ خداوند تجھے ملامت کرے۔“⁽³⁾

• بائبل کی تعلیمات کے مطابق حضرت میکائیل انبیاء سے ہم کلام ہوتے ہیں:

”یہ وہی ہے جو بیابان کی کلیسا میں اس فرشتہ کے ساتھ جو کوہ سینا پر اس سے ہم کلام ہوا اور ہمارے

باپ دادا کے ساتھ تھا اسی کو زندہ کلام ملا کہ ہم تک پہنچا دے۔“⁽⁴⁾

میکائیل ہی نے دوسرے فرشتے کے ساتھ مل کر ابلیس اور اس کے ساتھیوں کے خلاف جنگ لڑی تھی

”پھر آسمان پر لڑائی ہوئی۔ میکائیل اور اس کے فرشتے اژدھا سے لڑنے کو نکلے اور اژدھا اور اس کے فرشتے ان

سے لڑے لیکن غالب نہ آئے اور اس کے بعد آسمان پر ان کے لئے جگہ نہ رہی۔“⁽⁵⁾

میکائیل ہی سب سے طاقتور اور فرشتوں میں سے بڑا ہے ان کے لئے بائبل میں ”Arch Angel“ کا لفظ

1- کتاب مقدس، دانی ایل 11:7

2- دانی ایل 12:1

3- یہوداہ:9

4- اعمال 7:38

5- مکاشفہ 7:12

استعمال کیا گیا ہے یعنی رئیس ملائکہ۔ بعض جگہوں پر انہیں ملک الموت بھی کہا گیا ہے:

There is only one Arch angel the Chief angel. He is called the great Prince. ⁽¹⁾

میکائیل کے بعد Seraphs کا درجہ ہے۔ یہ فرشتوں کا سب سے اعلیٰ طبقہ ہے ان کا تذکرہ صرف یسعیاہ کی کتاب میں آیا ہے ان فرشتوں کے چھ بازو (پر) تھے۔ یہ قدوس قدوس قدوس کا نعرہ لگاتے تھے۔ کچھ یہودی علماء کی رائے ہے کہ یہ فرشتے آگ کی طرح چمکتے ہیں بعض انہیں بجلی کی چمک سے تشبیہ دیتے ہیں، آخر میں کروہیم یا کروبی ہیں، بائبل کے مطابق کروبی عظیم آسمانی ہستی ہیں ان کی تشبیہ انسان، بیل، شیر اور عقاب کی صورتوں کی طرح ہے۔

”ان کے چہروں کی مشابہت یوں تھی کہ ان چاروں کا ایک ایک چہرہ انسان کا، ایک ایک شیر ببر کا ان کی دہنی طرف اور ان چاروں کا ایک ایک چہرہ عقاب کا تھا۔ ان کے چہرے تو یوں تھے اور ان کے پر اوپر سے الگ الگ تھے اور ہر ایک کے دو پر دوسرے کے دو پروں سے ملے ہوئے تھے اور دو دو سے ان کا بدن ڈھپا ہوا تھا۔ ان میں سے ہر ایک سیدھا آگے کو چلا جاتا تھا جدھر کو جانے کی خواہش ہوتی تھی وہ جاتے تھے وہ چلتے ہوئے مڑتے نہ تھے۔“ ⁽²⁾

• کروہیموں کو زندگی کے درخت کی حفاظت کی ذمہ داری دی گئی تھی:

”چنانچہ اس نے آدم کو نکال دیا اور باغ عدن کے مشرق کی طرف کروہیموں کو اور اس کے گرد گھومنے والی شعلہ زن تلوار کو رکھا کہ وہ زندگی کے درخت کی راہ کی حفاظت کریں۔“ ⁽³⁾

کروہیموں کو خدا کے تخت کی حفاظت کے لئے بھی لگایا گیا تھا اور وہ عہد کے صندوق کی حفاظت بھی کرتے تھے۔ یہوواہ اور ان دیکھے تخت پر اپنے پروں سے سائبان بھی کرتے تھے۔

”وہ کروبی پر سوار ہو کر اڑا اور ہوا کے بازوؤں پر دکھائی دیا۔“ ⁽⁴⁾

”اور وہ کروبی اس طرح اوپر کو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہوں کہ سرپوش کو اپنے پروں سے ڈھانک لیں۔ اس سرپوش کو اس صندوق کے اوپر لگانا اور وہ عہد نامہ جو میں تجھے دوں گا اسے اس صندوق

1- Insight on the Scriptures Mode in United State America vol:1,p :10-7

2- حزقی ایل 12:10:10

3- پیدائش 24:3

4- سموئل 11:22

کے اندر رکھنا۔“⁽¹⁾

جبرائیل کا تذکرہ بائبل میں چار مقامات پر آیا ہے۔ ہر جگہ انھیں ایک عظیم پیغام لے کر آنے والا بتایا گیا ہے۔ دانی ایل کو جبرائیل نے مینڈھے اور بکرے کی رویا کے معانی سمجھائے اور انھیں ستر (70) ہفتوں کی رویا کا مطلب بھی بتایا۔ انھوں نے حضرت زکریا کو یوحنا کی پیدائش کی خوشخبری دی اور حضرت مریم کو حضرت مسیح کی پیدائش کا پیغام بھی دیا۔

”اور میں نے (دانی ایل) اولائی میں سے آدمی کی آواز سنی جس نے بلند آواز سے کہا کہ اے جبرائیل اس شخص کو اس رویا کے معنی سمجھا دے۔“⁽²⁾

”ہاں میں دعائیں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ وہی شخص جبرائیل جسے میں نے شروع میں رویا میں دیکھا تھا حکم کے مطابق تیز پروازی کرتا ہوا آیا اور شام کی قربانی گزرنے کے وقت کے قریب تجھے چھوا۔“⁽³⁾

”زکریا نے فرشتے سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی عمر رسیدہ ہے۔ فرشتے نے جواب میں اس سے کہا میں جبرائیل ہوں۔“⁽⁴⁾

”چھٹے مہینے میں جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا۔“⁽⁵⁾

بائبل میں حضرت جبرائیل کے مقام کے بارے میں نہیں بتایا گیا لیکن حنوک کی کتاب میں انہیں فرشتہ اعظم یا ملک الموت بھی بتایا گیا ہے۔

بائبل کے مطابق فرشتوں میں نر اور مادہ نہیں، انہیں صرف نر ہی پکارا جاتا ہے۔ فرشتوں کی طاقت اور مراعات

بائبل کی تعلیمات کے مطابق فرشتوں کا رتبہ انسان سے زیادہ ہے۔

”انسان کیا چیز ہے جو تو اس کا خیال کرتا ہے یا آدم زاد کیا ہے جو تو اس پر نگاہ کرتا ہے، تو نے

1- خروج 22:20

2- دانی ایل 8:16

3- دانی ایل 9:21

4- لوقا 19:19

5- لوقا 1:26

اسے فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا۔“⁽¹⁾

فرشتوں کو خداوند کی طرف سے جو حکم دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔

”اے خداوند کے فرشتو! اس کو مبارک کہو، تم جو زور میں بڑھ کر ہو اور اس کے کلام کی آواز سن کر اس پر عمل کرتے ہو“⁽²⁾

فرشتے خداوند کے حکم سے شہروں کو برباد کر دیتے ہیں۔

”اس لئے کہ ان کا شور خداوند کے حضور بہت بلند ہوا ہے اور خداوند نے اسے نیست کرنے کو ہمیں بھیجا ہے۔“⁽³⁾

بائبل میں فرشتوں کی طاقت کا بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ایک فرشتہ نے کئی لاکھوں انسانوں کو مار دیا۔

”سو اسی رات کو خداوند کے فرشتہ نے نکل کر اسور کی لشکر گاہ میں ایک لاکھ پچاسی ہزار آدمی مار ڈالے اور صبح کو جب لوگ سویرے اٹھے تو دیکھا کہ وہ سب مرے ہوئے پڑے ہیں۔“⁽⁴⁾

• فرشتے بڑی تیزی سے سفر کرتے ہیں ان کی رفتار کی پیمائش نہیں کی جاسکتی جیسا کہ دانی ایل نے خداوند کو پکارا تو اس نے مدد کے لئے فرشتے بھیجے اور انہوں نے دانی ایل کی مدد کی۔ اس تمام طاقت کے باوجود فرشتے اپنی طرف سے دن اور وقت کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ان کی حد یہ ہے کہ ان کو جس چیز کا حکم دیا جاتا ہے وہی بجالاتے ہیں۔

”لیکن اس دن اور اس گھڑی کی بات کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا۔“⁽⁵⁾

”وہ نہ صرف اپنی بلکہ تمہاری خدمت کے لئے یہ باتیں کہا کرتے تھے جس کی خبر تم کو ان کی معرفت ملی جنہوں نے روح القدس کے وسیلہ سے جو آسمان سے بھیجا گیا تم کو خوشخبری دی اور فرشتے بھی ان باتوں پر غور سے نظر کرنے کے مشتاق ہیں۔“⁽⁶⁾

• فرشتے گناہ سے توبہ کرنے والے سے خوش ہوتے ہیں۔ مسیحی اور یہودی عورتیں اسی عبادت کے مد نظر اپنے سر کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں۔

”اور تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ایک توبہ کرنے والے گنہگار کے باعث خدا کے فرشتوں کے

1- عبرانیوں 6:2

2- زبور 103:20

3- پیدائش 19:13

4- 2- سلاطین 19:35

5- متی 24:36

6- پطرس 1:12

سامنے خوشی ہوتی ہے۔“⁽¹⁾

• فرشتے اپنی مراعات سے لطف اٹھاتے ہیں بے شمار فرشتوں نے عرش عظیم کو گھیرا ہوا ہے جیسا کہ مکاشفہ کی کتاب میں بیان ہوا ہے:

”اور جب میں نے نگاہ کی تو اس تخت اور ان جانداروں اور بزرگوں کے گرد گہر بہت سے فرشتوں کی آواز سنی جن کا شمار لاکھوں اور کروڑوں میں تھا۔“⁽²⁾

”اور سب فرشتے اس تخت اور بزرگوں اور چاروں جانداروں کے گرد گہر دھڑکے ہیں پھر وہ تخت کے آگے منہ کے بل گر پڑے اور خدا کو سجدہ کر کے کہا آمین۔“⁽³⁾

”اور وہ ساتویں فرشتے جن کے پاس وہ سات نرسنگے تھے پھونکنے کو تیار ہوئے۔“⁽⁴⁾

”پھر میں نے ایک فرشتے کو آسمان کے بیچ میں اڑتے ہوئے دیکھا جس کے پاس زمین کے رہنے والوں کی ہر قوم اور قبیلہ اور اہل زبان اور امت کے سنانے کے لئے ابدی خوشخبری تھی اور اس نے بڑی آواز سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور اس کی تعظیم کرو کیونکہ اس کی عدالت کا وقت آ پہنچا ہے اور اسی کی عبادت کرو جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور پانی کے چشمے پیدا کیے۔“⁽⁵⁾

”پھر اس کے بعد ایک اور فرشتہ یہ کہتا ہوا آیا کہ گر پڑا وہ بڑا شہر بابل گر پڑا جس نے اپنی حرام کاری کی غضب ناک مے تمام قوموں کو پلائی ہے۔“⁽⁶⁾

”پھر میں نے مقدس میں سے کسی کو بڑی آواز سے ان ساتوں فرشتوں سے یہ کہتے سنا کہ جاؤ خدا کے قہر کے ساتوں پیالوں کو زمین پر الٹ دو۔“⁽⁷⁾

• فرشتے نے آسمان سے حضرت ابرہیمؑ کو اس وقت پکارا جب وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو چھری سے ذبح کر رہے تھے انھیں چھری چلانے سے روکا:

”اور ابرہام نے ہاتھ بڑھا کر چھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے تب خداوند کے فرشتے نے اسے آسمان سے پکارا کہ اے ابرہام، اے ابرہام! اس نے کہا میں حاضر ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ

1- لوقا 15:10

2- مکاشفہ 5:11

3- مکاشفہ 7:11

4- مکاشفہ 8:6

5- مکاشفہ 14:6، 7

6- مکاشفہ 14:8

7- مکاشفہ 16:1

لڑکے پر نہ چلا اور نہ اس سے کچھ کر کیونکہ میں اب جان گیا ہوں کہ تو خداوند سے ڈرتا ہے اس لئے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا۔“ (1)

حضرت یعقوبؑ کو بھی فرشتہ نے خواب میں آواز دی:

”اور خدا کے فرشتہ نے خواب میں مجھ سے کہا اے یعقوب! میں نے کہا میں حاضر ہوں۔“ (2)

ایک فرشتہ یثوع کی مدد کرنے آیا تھا۔

”اور جب یثوع یریحو کے قریب تھا تو اس نے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور کیا دیکھا کہ اسے ایک شخص ہاتھ میں اپنی ننگی تلوار لئے کھڑا ہے اور یثوع نے اسے پاس جا کر اس سے کہا تو ہماری طرف ہے یا ہمارے دشمنوں کی طرف اس نے کہا نہیں بلکہ میں اس وقت خداوند کے لشکر کا سردار ہو کر آیا ہوں۔“ (3)

یسعیاہ میں بیان ہوا ہے کہ سرافیم کے ذریعہ کفارہ ادا کیا گیا۔

”اس وقت سرافیم میں سے ایک سلگا ہوا کوئلہ جو اس نے دست پناہ سے مذبح پر سے اٹھا لیا اپنے ہاتھ میں لے کر اڑتا ہوا میرے پاس آیا اور اس سے میرے منہ کو چھوا اور کہا دیکھ اس نے تیرے لبوں کو چھوا پس تیری بدکاری دور ہوئی اور تیرے گناہ کا کفارہ ہو گیا۔“ (4)

دانی ایل کی بھی فرشتہ نے مدد کی۔

”میرے خدا نے اپنے فرشتہ کو بھیجا اور شیروں کے منہ بند کر دیے اور انہوں نے مجھے ضرر نہیں پہنچایا۔“ (5)

● زکریا کو بھی فرشتہ دکھائی دیا

”تب میں نے کہا اے میرے آقا یہ کیا؟ اس پر فرشتہ نے جو مجھ سے گفتگو کرتا تھا، کہا میں تجھے دکھاؤں گا یہ کیا ہیں۔“ (6)

● اعمال کی کتاب میں بیان ہوا ہے کہ فرشتہ نے قیدیوں کو دروازے کھول کر آزاد کرایا:

”خداوند کے ایک فرشتہ نے رات کو قید کے دروازے کھولے اور انھیں باہر لا کر کہا کہ جاؤ ہیکل

1- پیدائش 12:22، 11

2- پیدائش 11:31

3- یثوع 14:5، 13

4- یسعیاہ 7:6

5- دانی ایل 6:22

6- زکریا 9:1

میں کھڑے ہو کر اس زندگی کی سب باتیں لوگوں کو سناؤ۔“⁽¹⁾

”کہ دیکھو خدا کا ایک فرشتہ کھڑا ہوا اور اس کو ٹھہری میں نور چمک گیا اور اس نے پطرس کی پبلی پر ہاتھ مار کر اسے جگایا اور کہا کہ جلدی اٹھ اور زنجیریں اس کے ہاتھوں میں سے کھل پڑیں۔“⁽²⁾

• یسوع مسیح کی گواہی بھی فرشتہ نے دی تھی جس کی وضاحت مکاشفہ کی کتاب میں بیان ہوئی ہے:

”یسوع مسیح کا مکاشفہ جو اسے خدا کی طرف سے اس لئے ہوا کہ اپنے بندوں کو وہ باتیں دکھائے جن کا جلد ہونا ضروری ہو اور اس نے اپنے فرشتہ کو بھیج کر اس کی معرفت انہیں اپنے بندہ یوحنا پر ظاہر کیا جس نے خدا کے کلام اور یسوع مسیح کی گواہی کی یعنی ان سب چیزوں کی جو اس نے دیکھی تھیں شہادت دی۔“⁽³⁾

تقابلی مطالعہ

بائبل میں مذکورہ فرشتوں کے بارے میں جو شواہد ملتے ہیں ان کی قرآن مجید کی تعلیمات میں جانچا گیا تو معلوم ہوا بائبل میں فرشتوں کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ فرشتے انسان کی پیدائش سے پہلے خلق کیے گئے تھے اور ان کا مقام انسان سے تھوڑا اونچا ہے لیکن قرآن مجید میں بتایا گیا کہ فرشتے نور سے پہلے پیدا کیے گئے ہیں اور ان کا مقام یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا۔ انہوں نے اللہ کے حضور نہایت عجز و نکساری سے اعتراف کیا کہ ہمیں وہی علم ہے جو ہمیں سکھایا گیا بائبل میں یہ تذکرہ موجود نہیں ہے۔ بائبل اور قرآن مجید کے مطابق فرشتوں کی تعداد معلوم نہیں۔ بائبل کی رو سے مقرب فرشتے حضرت میکائیل جبکہ قرآن کی تعلیمات کے مطابق حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں بائبل اور قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق فرشتے اللہ کے حضور موجود رہتے ہیں۔ بائبل کی رو سے بدکار فرشتے اللہ کی مخالفت کرتے ہیں اور اللہ کے منصوبوں کو ناکام بناتے ہیں۔ بائبل کی تعلیمات کے مطابق شیطان بھی فرشتوں میں سے ہے۔ انسان کو گناہ پر اکسانے میں بدکار فرشتوں کو آگ میں ڈالا جائے گا بلکہ یہودی فرشتوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بائبل کے مطابق روح القدس سے مراد خدا کی روح ہے۔ قرآن مجید میں ہاروت و ماروت کا تذکرہ بھی موجود ہے جو لوگوں کو سحر سکھاتے تھے ان کے بارے میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔ بائبل کی تعلیمات میں فرشتے اللہ کے خاص بندوں کے پاس آئے ان سے گفتگو بھی کی۔ قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق فرشتے نیک ہی ہیں بدکار نہیں ہیں اور نہ ہی شیطان کی مدد کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے منصوبوں کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے

1- اعمال 19:5

2- اعمال 12:7

3- مکاشفہ 1:1

منصوبوں کو ناکام بناتے ہیں۔ قرآن مجید کی رو سے فرشتے انسانی شکل میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کے چنے ہوئے بندوں سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے کلام میں رد و بدل نہیں کرتے۔ ان کی تخلیق کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام و اوامر کا نزول انہی کے ذریعے فرماتا ہے۔ قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کے فرشتوں کا تذکرہ موجود ہے اگرچہ بائبل میں ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔